History of the Church in India Part I
St. Thomas, the Apostle of India
By the Revd. Canon Barakat Ulla

تاریخِ کلیسیائے ہندوستان

حصّہ اوّل

مُقدّس توما رسُولِ ہند

مصنّفہ

پادری برکت اللہ ایم۔اے

فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔لندن

مصنّفِ

مسیحیت اور سائنس۔ نُور الہدیٰ۔ صحتِ کتبِ مقدسہ۔ کلمتہ اللہ کی تعلیم۔ معجزۂ قانائے گلیل۔ محمد عربی۔ اسرائیل کا نبی یا جہان کا ... دشتِ کربلا یا کوہِ کلوری؟ تاریخ صحفِ سماوی صلیب کے بردار۔ مسیحیت اور اشتراکیت۔ کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟ وغیرہ۔

ملنے کا پتہ:۔ پادری کینن برکت اللہ صاحب۔ انار کلی بٹالہ۔ شمالی ہند

یادگار

کلیسیائے پنجاب کے پہلے ہندوستانی آرچ ڈیکن آف دہلی

عرش آشیانی۔ فردوس مکانی

عمِ بزرگوار پادری احسان اللہ صاحب مرحوم

کی یادگار میں

یہ کتاب معنون کی جاتی ہے

کیونکہ

مرحوم نے اپنی تمام زندگی پنجاب کی کلیسیا کی روحانی بہبودی

اور تبلیغی مساعی کے لئے وقف کردی تھی

برکت اللہ

-3824-

فہرست مضامین

دیباچہ

ہندوستانی کلیسیا کے مسیحیوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ ان کو اپنے مُلک کی کلیسیا کی تاریخ کا علم نہیں۔ موجودہ الٰہیات کے مدرسوں میں ان کو مغربی کلیسیاؤں کی تاریخ وتنظیم اور عقاید کی نسبت تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن اِن اداروں میں مشرقی ممالک کی کلیسیاؤں کی نسبت واقفیت حاصل کرنا ایک فضول شے سمجھ کر اُن کی تاریخ وعقائد کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ پس ہندوستانی مسیحیوں کا علم اِن کلیسیاؤں کی نسبت صفر سے زیادہ نہیں ہوتا۔ بسااوقات تاریخ کلیسیا کے معلّم خود اِس علم سے کورے ہوتے ہیں۔ بالخصوص ہندوستان کی قدیم کلیسیا کے متعلق اُن کی واقفیت بہت کم ہوتی ہے۔ کیونکہ اب تک مغربی فضلاء اور مبلّغین نے اس موضوع پر کوئی سیر حاصل بحث نہیں کی اور نہ اُس قسم کی کتابیں تصنیف کی ہیں جیسی مغربی کلیسیاؤں کے متعلق یورپ کی زبانوں میں موجود ہیں۔ ہندوستان کے مسیحیوں میں بھی ایسا ذوق پایا نہیں جاتا کہ وہ ہمہ تن مشغول ہو کر یکسوئی سے اپنے گرانمایہ وقت اور زر کو صرف کر کے اس قسم کے موضوع کی تحقیق وتفتیش کر سکیں۔

چنانچہ گذشتہ ۳۵ سال سے میں مختلف لوگوں کی توجہ اس اہم موضوع کی جانب مبذول کرنے کی کوشش اِس امید سے کرتا آیا ہُوں کہ شاید کوئی مسیح کا عاشق اس مضمون کو اپنی زندگی کا کام تصوّر کر کے ہندوستان کی کلیسیا کی تاریخ لکھنے کا بیڑا اُٹھا لے۔ پر جب ہر طرف سے مایوس ہوگیا تو میں نے خدا کا نام لے کر خود اس کام کو شروع کر دیا۔ لیکن میں اپنی نااہلیت سے بخوبی واقف ہُوں اور دُعا کرتا ہُوں کہ یہ کتاب بہتر کتابوں کی پیش خیمہ ثابت ہو۔

کلیسیائے ہندوستان کی تاریخ لکھنے والے کو بیسیوں دِقتوں کا سامنا

کرنا پڑتا ہے۔ لازم ہے کہ وہ اس بات کا اہل ہو کہ قدیم روایات اور قصص میں تاریخی عناصر کی تمیز کر سکے اور اُن کے افسانوی اور رومانوی پہلوؤں کو جُدا کر کے معلوم کر سکے کہ وہ کہانیاں کہاں تک تاریخی واقعات کی حامل ہیں۔ اس کو نہ صرف ہندوستان کی قدیم تاریخ سے مس ہونا چاہیئے بلکہ اُن تمام ممالک کی سیاسی اور کلیسیائی تاریخ سے بھی واقفیت ہونی چاہیئے جن کا تعلق مختلف صدیوں کے دوران میں ہندوستان کی کلیسیا کے ساتھ رہا ہے۔ کیونکہ اُن کے سیاسی واقعات کا ہندوستان کی کلیسیا پر گہرا اثر پڑا ہے۔ ایسا کہ ان کے سبب سے بعض اوقات کلیسیائے ہند کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔ بالخصوص پہلی پندرہ صدیوں کے لئے ممالک ایران و شام کی قدیم سیاسی اور کلیسیائی تاریخ کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

سب سے بڑی دقت یہ درپیش ہوتی ہے کہ قدیم وقتوں ہی سے ہمارے مُلک میں کسی شخص کو ہندوستان کی کلیسیا کی تاریخ لکھنے کا کسی زمانہ میں بھی خیال نہ آیا اور نہ ہمارے مُلک میں اب کوئی ایسی پُرانی دستاویزیں موجود ہیں جو دو ہزار سال سے چلی آئی ہوں اور جن کی بناء پر کوئی شخص اَب مسلسل تاریخ لکھ سکے۔ اس کے علاوہ شروع ہی سے دُنیا کے سیاسی حالات کی وجہ سے رومی سلطنت کی کلیسیاؤں میں اور مشرقی ممالک کی کلیسیاؤں میں میل جول اور رسم وراہ موقوف ہو چکی تھی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہُوا کہ ہندوستان کی کلیسیا کے واقعات یورپ کے ممالک کی قدیم تاریخوں اور دستاویزوں میں نہیں ملتے۔ مشرقی ممالک اور ایران اور شام کی کلیسیاؤں کے مؤرخوں نے اپنے اپنے مُلک کی تاریخیں لکھی ہیں جن میں سے چند ایک مسلمانوں اور منگولی خانہ بدوشوں کی دستبرد سے محفوظ رہ گئی ہیں۔ ان تصنیفات میں صرف کہیں کہیں ہندوستان کی کلیسیاؤں کا ذکر آتا ہے کیونکہ ان ممالک کے مؤرخین کا مقصد کلیسیائے ہندوستان کی تاریخ لکھنا نہ تھا۔ تاہم ان شامی دستاویزوں

سے جو مشرقی ممالک کی مختلف خانقاہوں اور گرجاؤں میں بچ رہی ہیں ہم کو مختلف تبلیغی مہموں، مبلغوں اور بشپوں کی نسبت جو ہندوستان میں کام کرتے رہے ہیں۔ صحیح حالات کا کچھ پتہ مل سکتا ہے۔

مغربی اقوام کی آمد سے قبل یعنی پندرہ سو سال کے واقعات ہم کو کہیں بھی ترتیب وار نہیں ملتے۔ یہ واقعات مختلف ممالک کی کلیساؤں کی تاریخوں کے صفحوں میں بکھرے پڑے ہیں کوئی واقعہ کہیں درج ہے کوئی کہیں ملتا ہے۔ یہ واقعات مختلف قسم کے ہیں۔ اور غیر مسلسل اور منتشر حالت میں مختلف ممالک کے مختلف صدیوں کے مصنفوں کی مختلف کتابوں میں بے ربطی کی حالت میں جدا جدا لکھے پڑے ہیں۔ ان غیر مربوط اور الگ الگ ماخذوں کو اکٹھا کرنا جان جوکھوں کا کام ہے اور اس کے لئے عرقریزی۔ کاوش اور جانکاہ محنت اور فرصت درکار ہے۔

کلیسیائے ہند کی قدیم تاریخ کے ماخذ بالعموم تین قسم کے ہیں:۔

(۱) پہلی قسم کے ماخذ کلیسیا کی روایات قصص افسانے وغیرہ ہیں۔ ان میں افسانوی اور رومانوی عنصر زیادہ غالب ہے۔ مؤرخ کا یہ کام ہے کہ ان روایات میں حق اور باطل کو جدا کر کے تاریخی واقعات کی کھوج لگائے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں مقدس توما رسول کے ہندوستان میں آنے اور شہادت پانے کی روایات کی جانچ پڑتال کر کے ہم نے تاریخی نتائج پر پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

(۲) دوسری قسم کے ماخذ مختلف ممالک کی کلیسیاؤں کے مصنفوں اور دستاویزوں میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ یہ ماخذ تاریخی پہلو سے نہایت اہم ہیں لیکن بے ربطی کی حالت میں پڑے ہیں۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ پہلی پندرہ صدیوں کے ماخذوں کو یک جا کر دیا جائے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے اب تک کسی کتاب میں ایسا نہیں کیا گیا۔

(۳) تیسری قسم کے ماخذ ہندوستان کی قدیم کتب اور ہندوؤں کی مذہبی روایات، عقاید و رسوم اور فلسفیانہ تصورات ہیں۔ جن پر بحث کر کے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ مسیحیت نے گذشتہ بیس صدیوں کے دوران میں اہل ہنود کے مذاہب، رسوم اور فلسفہ کو کس قدر متاثر کیا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ مختلف علماء ان قضایا سے مختلف نتائج پر پہنچے ہیں۔ اس کتاب کے دوسرے حصے کے آخری باب میں ہم نے اس مضمون پر بحث کی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ پرتگیزوں کی آمد کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے ان کی آمد سے کلیسیائے ہند کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے پس تیسرے حصے میں پرتگیزوں کی آمد سے لے کر سلطنتِ برطانیہ کی آمد تک جنوبی ہند کی قدیم کلیسیاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔

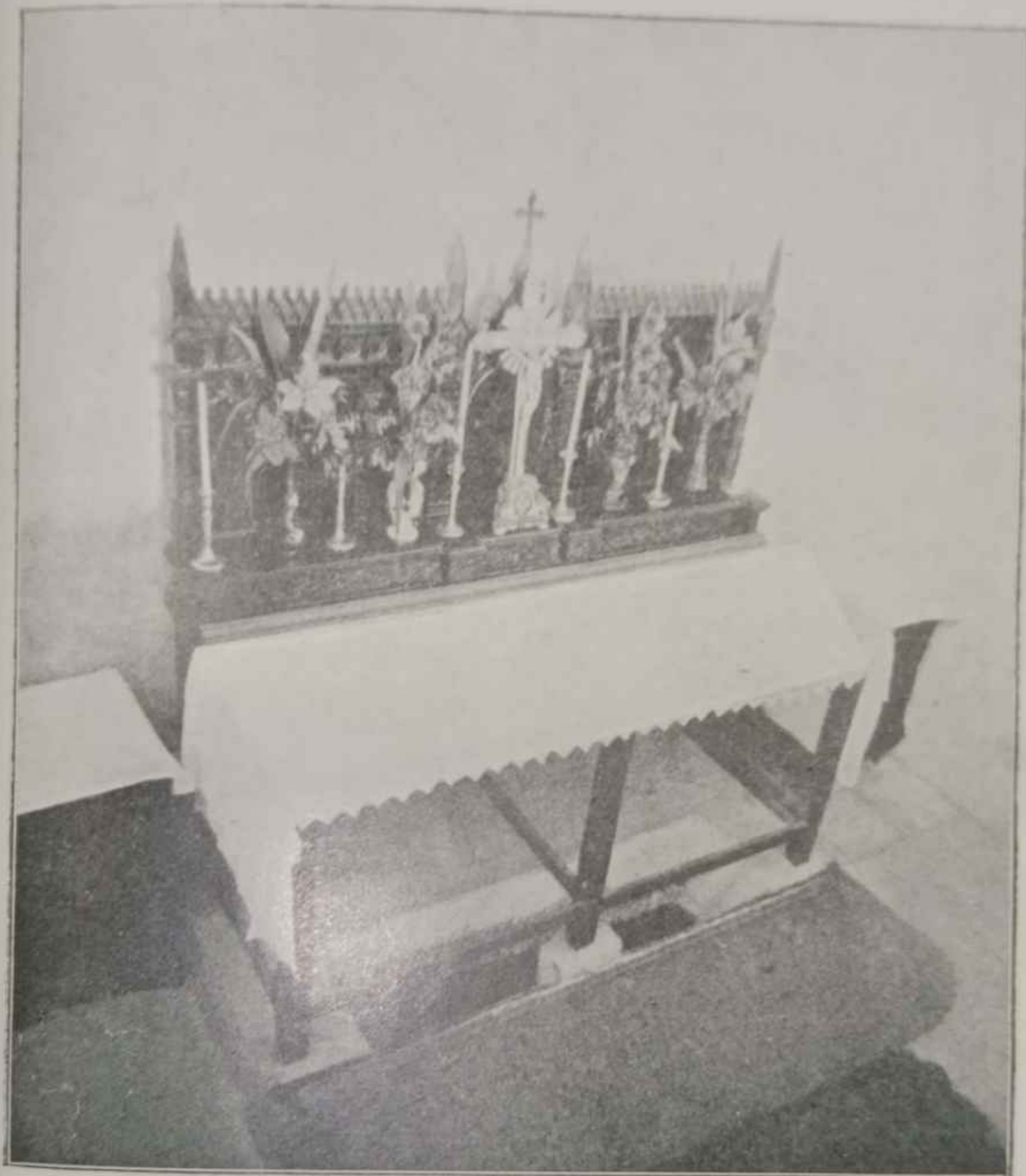
چوتھے حصے میں سلطنتِ مغلیہ کے زمانہ میں مسیحیت کا حال بتلایا گیا ہے اور یہ حصہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

یہ بتلانا ضروری ہے کہ اس کتاب میں لفظ "ہندوستان" سے مراد وہ برِعظیم ہے۔ جو ۱۵ ار۔ اگست ۱۹۴۷ء کی تقسیم سے پہلے ہندوستان کہلاتا تھا۔ اور جس میں اب پاکستان اور ہندوستان دونوں شامل ہیں۔

زنار کلی۔ بٹالہ

۱۶۔ اگست ۱۹۴۸ء

برکت اللہ



CRYPT OF SAN THOMÉ CATHEDRAL, SHOWING TRADITIONAL TOMB OF ST. THOMAS

باب اوّل

مقدّس توما رسول کے حالات

انجیلی بیان انجیل جلیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدّس توما ماہی گیر تھے جو مقدّس پطرس۔ مقدّس اندریاس۔ مقدّس یوحنا۔ اور مقدّس یعقوب کے ساتھ گلیل کی جھیل میں جال ڈال کر مچھلیاں پکڑ کے اپنا گذارہ کیا کرتے تھے (یوحنا ۲۱: ۱-۲ و متی ۴: ۱۸ وغیرہ) جب خداوند مسیح نے ان کو فرمایا "میرے پیچھے چلے آؤ" تو وہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرح "جال چھوڑ کر کلمتہ اللہ کے پیچھے ہو لئے" (مر ۱: ۱۸) ایک زمانہ تک آپ کو اپنے آقا اور مولا کے ساتھ شب و روز رفاقت رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ خداوند کی نشستِ و برخاست۔ رفتار و گفتار۔ خیالات و عادات۔ کلماتِ طیّبات معجزاتِ بیّنات غرضیکہ ایک ایک بات سے بخوبی واقف ہو گئے۔ جب آپ نے کلمتہ اللہ کے مکتب میں یہ تعلیم و تربیت حاصل کر لی تو "ایک شام ایسا ہؤا کہ ابن اللہ پہاڑ پر دُعا مانگنے کو نکلے اور خُدا سے دُعا مانگنے میں ساری رات گزار دی۔ جب دن ہؤا تو آپ نے اپنے شاگردوں کو پاس بُلا کر ان میں سے بارہ چُن لئے اور ان کو رسول کا لقب دیا" (لوقا ۶: ۱۲-۱۳) ان بارہ کے زمرہ میں جن کو یہ شرفِ دوامی عطا ہؤا مقدّس توما "جسے توام کہتے ہیں" (یو ۱۱/۱۶) شامل تھے (مر ۳/۱۸)

اناجیل میں دوازدہ رسل کے ناموں کی فہرست کی ترتیب میں مقدّس توما کا نام ہر جگہ مقدّس متی کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے۔ لفظ "توما" اسم معرفہ نہیں

ہے بلکہ اسم نکرہ ہے لہذا یہ نام آپ کا اسمِ خاص نہیں تھا۔ اناجیل سے پتہ چلتا ہے کہ منجئ عالمین اپنے شاگردوں اور رفیقوں کو ایسے ناموں سے یاد فرمایا کرتے تھے جو اُن کی خصلتوں کے عین مطابق ہوتے تھے[1]۔ مثلاً آپ نے طنزاً دو بھائیوں مقدس یعقوب اور مقدس یوحنا کا نام "بوانرگس" یعنی بنی رعد رکھ دیا تھا (مر ۳: ۱۷) کیونکہ ان کی طبیعت میں غصہ تھا (لوقا ۹: ۵۴) لیکن خداوند کی صحبت کے فیض کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنی رعد محبت کے رسول ہو گئے۔ اسی طرح ابن اللہ نے مقدس شمعون کا نام "پطرس" یعنی پتھر رکھا تھا (متی ۱۶: ۱۸) آپ نے مقدس لیوی کا نام "متی" رکھا (مر ۲: ۱۴ و متی ۹: ۹) جس کے معنے ہیں "خدا کا عطیہ" یا "خدا کی دین" کیونکہ خدا نے ان کو محصول لینے والوں کی اچھوت جماعت سے آپ کو عطا کیا تھا۔ آپ نے مقدس نتن ایل کا نام "برتلمائی" رکھا (یوا: ۴۵ و متی ۱۰: ۳) جس کے معنی "اخوت کا بیٹا" ہیں۔ مؤرخ یوسی بئیس ہم کو بتلاتا ہے کہ مقدس توما کا اسم مبارک "یہوداہ" تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو بارہ رسولوں میں سے تین ایسے تھے جن کا نام یہوداہ تھا۔ پس ایک کو دوسرے سے تمیز کرنے کی خاطر ابن اللہ نے ان کو مختلف نام عطا کر دیئے چنانچہ آپ یعقوب کے بیٹے یہوداہ کو بعض اوقات "تدی" بمعنی "مسرور یا ہنس مکھ" اور بعض اوقات "لبی" بمعنی "خوش مزاج" کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ (مر ۳: ۱۸۔ یو ۱۴: ۲۲۔ متی ۱۰: ۳) تاکہ ان میں اور یہوداہ اسکریوتی جیسے سرد مہر شخص میں تمیز ہو سکے۔ اسی طرح آپ نے تیسرے یہوداہ کا نام توما بمعنی توام رکھا کیونکہ آپ غالباً متی کے ساتھ سایہ کی مانند رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کا نام رسولوں کی فہرست میں تینوں انجیلوں میں اکٹھا آیا ہے جس طرح اندریاس اور

1. Robertson, Hidden Romance of the New Testament p. 86.

شمعون - یعقوب اور یوحنا کا نام بھائی ہونے کی وجہ سے اکٹھا آیا ہے اور فلپس اور برتلمائی کا نام دوستی کی وجہ سے ایک جگہ آیا ہے (یوحنا ۱: ۴۵)۔

مقدس یوحنا رسول مقدس توما رسول کے شروع سے ساتھی تھے (یوحنا ۲۱: ۱-۲) یہی وجہ ہے کہ انجیل چہارم میں مقدس توما کا ذکر سات جگہ آیا ہے اور پہلی تین انجیلوں کی نسبت زیادہ مفصّل ہے۔ مقدس یوحنا انجیل نویس ہم کو بتلاتے ہیں کہ مقدس توما خداوند مسیح کے کلمات طیّبات کو نہایت غور و فکر سے سُنا کرتے اور ان کو سمجھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ منجئ جہان نے اس دُنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے شاگردوں سے فرمایا "تمہارا دل نہ گھبرائے۔ جہاں مَیں جاتا ہُوں تم وہاں کی راہ جانتے ہو"۔ مقدس توما حضرت کلمتہ اللہ کی رمز کو نہ سمجھے۔ آپ نے کہا "اے خداوند۔ ہم نہیں جانتے کہ تُو کہاں جاتا ہے۔ پھر راہ کس طرح جانیں؟ ابن اللہ نے زبان صداقت بیان سے فرمایا۔ "راہ حق اور زندگی مَیں ہُوں"۔ (یوحنا ۱۴ باب) اور رسولوں کی تسلّی اور تشفی فرمائی۔

جب ابن اللہ اپنی ظفریاب قیامت کے بعد اپنے رسولوں پر ظاہر ہُوئے۔ "اُن بارہ میں ایک یعنی توما جسے توام کہتے ہیں یسُوع کے آنے کے وقت ان کے ساتھ نہ تھا پس باقی شاگرد اس سے کہنے لگے کہ ہم نے خداوند کو دیکھا ہے۔ مگر اس نے اُن سے کہا کہ جب تک مَیں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لُوں اور میخوں کے سوراخوں میں اپنی انگلی نہ ڈال لُوں اور اپنا ہاتھ اس کی پسلی میں نہ ڈال لُوں مَیں ہرگز یقین نہ کرونگا۔ آٹھ روز کے بعد جب شاگرد پھر اندر تھے اور توما ان کے ساتھ تھا اور دروازے بند تھے تو یسوع آیا اور بیچ میں اس نے کھڑے ہو کر کہا۔ السلام علیکم۔ پھر اس نے توما سے کہا۔ کہ اپنی اُنگلی پاس لاکر میرے ہاتھوں کو دیکھو۔ اور اپنا ہاتھ پاس لاکر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو بلکہ اعتقاد رکھ"

مقدّس توما کے حواس خمسہ نے آپ کے دل و دماغ کی تسلّی کی۔ اور آپ حالتِ تحیّر میں بے اختیار بول اُٹھے "یہ تو سچ مچ میرا خداوند اور میرا خدا ہے (یوحنا ۲۰ باب)۔ آپ اُن سات شاگردوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے خداوند سے ملاقات کرنے کے اشتیاق میں شمال کی جانب سفر اختیار کیا تھا (یوحنا ۲۱: ۱-۲ و متی ۲۸: ۷)۔

انجیل چہارم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدّس توما کی شخصیت نہایت دلآویز تھی۔ آپ خاموش اور سنجیدہ مزاج واقع ہوئے تھے اور آپ کی طبیعت غور و فکر کرنے کی عادی تھی۔ آپ فیصلہ کرنے سے پہلے ہر بات کی تہ کو پہنچنا چاہتے تھے۔ آپ کی بے اعتقادی کی وجہ یہ تھی کہ آپ سریع الاعتقاد نہیں تھے اور اپنی رائے صائب کو اس وقت تک ملتوی رکھتے تھے جب تک آپ کو ثبوت فراہم نہ پہنچے۔ آپ مقدّس پطرس کی طرح جلد باز نہیں تھے جو عجلت کر کے بے سمجھے بوجھے بات کو فوراً مان لیتے تھے۔ اور پھر اُسی تیزی کے ساتھ اس بات سے کنارہ کشی بھی اختیار کر لیتے تھے (متی ۱۶: ۱۶ و ۲۲ مرقس ۱۴: ۲۹-۳۱۔ لوقا ۲۲: ۶۱-۶۲۔ گلتی ۲: ۱۱-۱۲) لیکن مقدّس توما سکونِ خاطر سے تمام باتوں کو پرکھتے تھے مقدّس توما رسول کا وجود ان تمام معترضین کا کافی اور وافی جواب ہے جو یہ کہا کرتے ہیں کہ منجئی عالمین کے حواری دہقان ضعیف الاعتقاد گنوار تھے۔ اور بغیر کسی ثبوت کے ہر معجزہ کو مان لینے والے اور بغیر سوچے سمجھے ہر بات پر آمنّا صدقنا کہنے والے انسان تھے۔ جن کی آرزوؤں اور اُمیدوں نے ان کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ اپنے مُردہ مصلوب استاد کو زندہ اور فاتح منجی ماننے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مقدّس توما رسول زندگی کے تاریک پہلو پر نظر کرتے اور یاس کی ظلمت اور نااُمیدی کی گہرائیوں تک

پہنچنے والے تھے۔ آپ کی افسردگی کی وجہ یہ تھی کہ آپ مختلف معاملات کی مشکلات اور پیچیدگیوں کی گتھی سلجھانے میں لگے رہتے تھے۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ آنخداوند کی مردم شناس نظر نے آپ کی طبعیت کے رحجان کو دیکھ کر آپ کو مقدس متی رسول کا ساتھی بنایا تھا۔ کیونکہ مقدس متی زندگی کے ایسے دَور میں سے خود گذر چکے تھے اور اُن کے ذاتی تجربہ کے ثبوت نے اُن کو اس قابل بنا دیا تھا کہ دُنیا کے مال و دولت پر لات مار کر وہ خداوند کے پیچھے ہولئے ۔

مقدس توما خداوند کے دلدادہ عاشق صادق تھے۔ منجیٔ جہان سے جدائی کا خیال بھی آپ پر نہایت شاق گذرتا تھا۔ اور آپ اپنے آقا کی خاطر جان بکف ہو کر مرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ (یوحنا ۱۱: ۱۶) سرفروشانہ جاں نثاری آپ کا طغرائے امتیاز تھی۔ وفاداری آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور آپ کی مخلصانہ اور بے لاگ زندگی کی نمایاں خصوصیات میں سے تھی۔

جب ابن اللہ اپنی فتح یاب قیامت کے چالیس روز بعد صعود فرمانے لگے تو آپ نے اپنے باقی ماندہ "گیارہ شاگردوں کو" (جن میں مقدس توما بھی شامل تھے) جمع کیا۔ آپ نے ان کو یقین دلایا کہ "آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا ہے" اور حکم دیا۔ "تم یروشلیم سے شروع کر کے ساری قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی کرو۔ سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔ ان کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو۔ تم ان سب باتوں کے گواہ ہو اور دیکھو جس کا وعدہ میرے باپ نے کیا ہے۔ مَیں اس کو تم پر نازل کرونگا لیکن جب تک عالمِ بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے تم شہر یروشلیم میں ٹھہرے رہو۔" (متی ۲۸: ۱۸ و ۱۹۔ لوقا ۲۴: ۴۷۔ ۴۹) ابن اللہ کے جلالی صعود کے بعد وہ

اپنے خداوند کو "سجدہ کرکے بڑی خوشی سے یروشلیم کو لوٹ گئے اور ہر وقت ہیکل میں حاضر ہو کر خدا کی حمد کیا کرتے تھے" (لوقا ۲۴: ۵۲)۔

یروشلیم کے شہر میں "ایک بالاخانہ تھا" جس میں مقدس توما دیگر رسولوں کے ساتھ رہتے تھے (اعمال ۱: ۱۳)۔ اس جگہ "یہ سب کے سب ایک دل ہو کر دعا میں مشغول رہتے تھے"۔ (اعمال ۱: ۱۳-۱۴) دس روز کے بعد جب عید پنتیکوست کا دن آیا اور وہ سب ایک جگہ جمع تھے تو وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے جس طرح روح نے ان کو بولنے کی طاقت بخشی" (اعمال ۲: ۱-۴) یوں منجی عالمین کے رسول مقدس توما دوسرے رسولوں کی طرح روح القدس سے معمور ہو کر اب اس قابل بن گئے کہ اپنے آقا اور مولا کے حکم کے مطابق انجیل جلیل کے نجات بخش پیغام کو یہودی اور غیر یہودی اقوام عالم کے کانوں تک پہنچا دیں۔

کلیسیائی روایات

مقدس توما نے منجئ جہان کے آخری احکام کی تعمیل کس طرح کی؟ آپ کس ملک میں تشریف لے گئے اور کس قوم کے لوگوں کو آپ نے نجات کا مژدہ جانفزا سنایا؟ انجیل جلیل کا مجموعۂ کتب ہم کو دوازدہ رسل کی تبلیغی مساعی کی نسبت بہت کچھ نہیں بتلاتا۔ بالخصوص مقدس توما کی نسبت ہم کو اس الہامی مجموعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ آپ نے کن کن ملکوں، قوموں اور قبیلوں میں مسیح کے مصلوب ہونے اور قبر پر فتح پانے کی منادی کی۔ اگر انجیل کے مجموعہ میں دوازدہ رسل کے معتبر حالاتِ زندگی جمع کئے جاتے تو نہ صرف ضخامت وہ چند سے زیادہ بڑھ جاتی بلکہ اس مجموعہ کو جمع کرنے کا اصل مقصد بھی فوت ہو جاتا۔ کیونکہ اس کی علتِ غائی صرف ایک ہی تھی "یہ اس لئے لکھے گئے کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح

ہے۔ اور ایمان لاکر اس کے نام سے زندگی پاؤ" (یوحنا ۲۰: ۳۱- ایوحنا ۵: ۱۳ وغیرہ) انجیلی مجموعہ کے مصنفین کا مقصود مبلغین کے واقعات زندگی کو بتلانا نہیں تھا بلکہ "اُس زندگی کے کلام" کی بابت بتلانا تھا "جو ابتداء سے تھا اور جسے ہم نے سُنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور (توما کی طرح) اپنے ہاتھوں سے چھُوا" (ایوحنا ۱: ۱)

کلیسیائی روایات کے مطابق مقدس توما انطاکیہ میں پیدا ہوئے تھے اور "دوازدہ رُسل کی انجیل" کے مطابق آپ بنیمین کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ایک انجیل کی تصنیف بھی آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے اگرچہ آپ اس کے مصنف نہ تھے۔ اس کو ناصی بدعتی فرقہ (Naassenes) استعمال کرتا تھا۔ یہ انجیل اوریجن کی نظر سے گذری تھی۔ اور یوسی بئیس نے بھی اس کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک بدعتی کتاب ہے مابعد کے زمانہ میں مانیکی (Manichaeans) بدعتی فرقہ اس کو واجب الاحترام کتاب مانتا تھا۔ اس موضوعہ انجیل میں کلمتہ اللہ کی طفولیت کے زمانے کا ذکر ہے۔ اور ایسی مشکوک کہانیاں درج ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن اللہ بچپن میں بھی معجزے کیا کرتے تھے۔ اور غیب کا علم رکھتے تھے علاوہ دیگر قصص کے مٹی کے بارہ پرندوں کو خلق کرکے اُڑانے کا قصہ (جو قرآن میں بھی موجود ہے) اس انجیل میں پایا جاتا ہے۔ پروفیسر جیمس اس انجیل کے متعلق لکھتے ہیں[1]: "یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ ان قصص پر ہندوستان کا اثر موجود ہے۔

1. M. R. James, The Apocryphal New Testament pp. 14-15.

چنانچہ اس خیال کی تصدیق میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں چند کہانیاں ایسی ہیں جن کی نظیر بدھ اور کرشن کے بچپن کی کہانیوں میں موجود ہے۔ اس کتاب کے لاطینی ترجمہ میں مصنف کا نام "اسمٰعیلی توما" ہے۔ اور یونانی نسخہ میں "فلاسفر توما" ہے۔ القاب "اسمٰعیلی" اور "فلاسفر" ظاہر کرتے ہیں کہ مصنف کا تعلق مشرق کے ساتھ تھا۔ اور کلیسیائی روایت سے مقدس توما کا ہندوستان سے تعلق ظاہر ہے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس موضوعہ انجیل کا اصلی مصنف ایک ایسا شخص تھا جس کا تعلق مشرقی ممالک کے ساتھ تھا۔

مقدس توما کے سوانح حیات کے متعلق جو روایات کلیسیا میں مروج تھیں ان کا تذکرہ کتاب موسومہ بہ "توما کے اعمال" میں پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب ہمارے سامنے میز پر پڑی ہے اس میں پچھتر (۷۵) صفحے ہیں اور وہ ڈاکٹر ایم۔ آر جیمس کے مجموعہ "دی اپاکرفل نیوٹسٹامنٹ" میں شامل ہے۔ اس کتاب میں سے ہم چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:۔

"اُس وقت ہم جو رسول تھے سب کے سب یروشلیم میں موجود تھے۔ شمعون جو پطرس کہلاتا ہے اور اس کا بھائی اندریاس زبدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا۔ فلپس اور برتلمائی۔ توما اور متی محصول لینے والا۔ حلفئی کا بیٹا یعقوب اور شمعون قنانی اور یعقوب کا بھائی یہوداہ۔ ہم نے دنیا کو مختلف خطوں میں تقسیم کیا تاکہ ہم میں سے ہر ایک اُس خطہ میں جائے اور اُس قوم کی طرف روانہ ہو جہاں خداوند ہم کو بھیجے۔ قرعہ کے مطابق ہندوستان یہوداہ توما (جس کو توام بھی کہتے ہیں) کے حصّہ میں آیا۔ لیکن اس نے وہاں جانا نہ چاہا۔ اور عذر کر کے کہا۔ کہ جسم کی کمزوری کے باعث میں سفر نہیں کر سکتا۔ اور پھر میں ایک عبرانی شخص ہوں میں ہندوستانیوں میں جا کر حق کی منادی کس طرح کر سکتا ہوں۔ جب اُس نے

یہ کہا تو اُسی رات مُنجیِ عالمین اس پر ظاہر ہوئے اور اُنہوں نے فرمایا "توما۔ تو خوف نہ کر۔ تو ہندوستان کو جا اور وہاں کلام سنا کیونکہ میرا فضل تیرے ساتھ ہے"۔ لیکن وہ سرکش ہو کر کہنے لگا "میں ہندوستان نہ جاؤنگا۔ مجھے کسی اور جگہ جہاں تیری مرضی ہے بھیج دے۔"

جب وہ اس قسم کے خیالات میں غرق تھا اور ایسی باتیں کرتا تھا تو ایسا ہوُا کہ وہاں ہندوستان سے ایک سوداگر آیا ہوُا تھا جس کا نام حبّان تھا اُس کو بادشاہ گُنڈافورس نے بھیجا تھا تاکہ ایک بڑھئی غلام خرید کر لائے۔ خداوند نے اس کو دوپہر کے وقت منڈی میں پھرتے دیکھا اور پوچھا "کیا تو بڑھئی خریدنا چاہتا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ خداوند نے فرمایا "میرے پاس ایک غلام ہے جو بڑھئی ہے اور جس کو میں فروخت کرنا چاہتا ہوُں۔" یہ کہہ کر آپ نے توما کی جانب اشارہ کیا جو دُور کھڑا تھا۔ آپ نے ڈیڑھ سیر چاندی کے عوض اس کو بیچ دیا۔ اور ایک دستاویز لکھ دی جس میں تحریر تھا "منکہ یسُوع ولد یوسف نجار اعلان کرتا ہوُں کہ میں نے اپنا غلام بنام یہوداہ مسمّی حبّان سوداگر گنڈافورس شاہ ہندوستانی کے ہاتھ بیچ دیا ہے"۔ جب دستاویز تیار ہو گئی مُنجی نے یہوداہ توما کو لیا اور حبّان کے حوالے کر دیا۔ حبّان نے اس سے پوچھا "کیا یہ شخص تیرا مالک ہے؟" رسول نے جواب دیا "ہاں۔ میرا آقا یہی ہے"۔ اس نے کہا کہ اب میں نے تجھے خرید لیا ہے اس پر رسول خاموش ہو رہا +

اگلے روز رسول علی الصباح اُٹھا اور اُس نے دُعا کی اور کہا "اے خداوند جہاں تو چاہتا ہے میں جاؤں گا۔ تیری مرضی پوُری ہو"۔ دُعا کے بعد وہ حبّان کے پاس گیا جو اپنا مال و اسباب جہاز میں رکھ رہا تھا۔ اُس نے بھی اسباب رکھنے میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ جب جہاز روانہ ہوُا تو حبّان نے رسول سے پوچھا "تو کیا

کر سکتا ہے"۔ اُس نے جواب دیا "مَیں لکڑی سے ہل اور جُوا اور آنکس بنا سکتا ہُوں۔ مَیں کشتیاں اور مستُول اور مستُول کے لئے چپّو اور گراریاں بھی بنا سکتا ہُوں۔ مَیں پتّھر کے پیل پائے اور مندر اور بادشاہوں کے محلّات بنا سکتا ہُوں"۔ حبّان نے کہا "ہم کو تیرے جیسے کاریگر کی ضرورت تھی"۔ تب جہاز نے گھر کا رُخ کیا۔ ہوا موافق تھی اور وہ اندراپولس (Andrapolis) کی بندرگاہ میں پہنچے جو کسی بادشاہ کا پایہ تخت تھا......

توماؔ رسول حبّانؔ کے ساتھ ہندوستان کے شہروں میں پہنچا حبّانؔ شاہ گُنڈافورس کو آداب بجالانے کے لئے دربار میں حاضر ہُوا اور اطلاع دی کہ مَیں اپنے ساتھ بڑھئی کو لے آیا ہُوں۔ بادشاہ یہ سُن کر خوش ہُوا اور حُکم دیا کہ اس کو حاضر کیا جائے۔ بادشاہ نے پوچھا "کیا تُو میرے لئے ایک محل تیار کر سکتا ہے؟" اس نے جواب دیا "ہاں مَیں بنا سکتا ہُوں اور اسی غرض سے یہاں آیا ہُوں"۔ بادشاہ اُس کو شہر کے باہر لے گیا اور اُس مقام پر لے گیا جہاں وہ محل بنوانے کا خواہشمند تھا۔ رسول نے جگہ دیکھ کر کہا کہ "محل کے لئے یہ نہایت موزوں جگہ ہے"۔ وہ مقام ایک جنگل تھا جہاں بہت پانی جمع تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ محل شروع کر دیا جائے لیکن توماؔ نے جواب دیا کہ مَیں اس موسم میں محل تیار نہیں کرونگا بلکہ اکتوبر میں شروع کر کے اپریل میں ختم کرونگا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر کہا کہ یہاں ہر عمارت موسمِ گرما میں بنائی جاتی ہے اور تُو موسمِ سرما میں میرا محل تیار کریگا۔ رسول نے جواب دیا کہ "ہاں۔ ایسا ہی ہوگا"۔ بادشاہ نے کہا۔ "جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی کر۔ لیکن مَیں بہت مدّت کے بعد پھر اس طرف آؤنگا۔ مجھے محل کا نقشہ بنا کر دکھا"۔ رسول نے نقشہ بنایا جس کو دیکھ کر بادشاہ نہایت محظوظ ہُوا۔ اور کہا کہ اس نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تُو اچھا کاریگر ہے

اور اس قابل ہے کہ بادشاہوں کی خدمت کرے"۔ یہ کہہ کر اُس نے رسول کو عمارت بنانے کے لئے زرِ کثیر دے دیا۔ اور خود واپس چلا گیا۔ اور وقتاً فوقتاً اس کو روپیہ اور سامان اور اسباب خورد و نوش اور دیگر مزدور اور کاریگر بھیجتا رہا +

لیکن رسول اس مال و زر کو لے کر گرد و نواح کے شہروں اور گاؤں میں جا بجا پھرتا رہا۔ اور اس روپیہ سے غرباء اور مساکین کی ضروریات کو پورا کرتا اور ان کی حاجتوں کو رفع کرتا رہا۔ ان باتوں کے بعد بادشاہ نے رسول کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور کہا "مجھے بتلاؤ کہ کتنا کام ہو گیا ہے اور تم کو کس کس شے کی اور ضرورت ہے تاکہ وہ تم کو بھیجی جائے"۔ رسول نے جواب دیا کہ محل بنیا ہے صرف چھت کا کام رہ گیا ہے۔ بادشاہ نے یہ سُنا تو سونا اور چاندی بھیجی اور حکم دیا کہ چھت تیار کی جائے رسول نے خداوند کو کہا "اے خداوند میں سب باتوں کے لئے تیرا شکر کرتا ہوں۔ تُو نے موت کا دُکھ سہا تاکہ مَیں تجھ میں ہو کر ہمیشہ زندہ رہوں۔ تو نے مجھے غلام بنایا تاکہ تُو بہتوں کو میرے ذریعہ آزاد کرے"۔ رسول غربا کو تعلیم دیتا گیا۔ اس نے مصیبت زدوں کو تازگی بخشی اور کہا۔ "خداوند نے یہ سب کچھ تمہاری خاطر بھیجا ہے وہی ہر ایک کو نانِ روزینہ عطا فرماتا ہے۔ وہی یتیموں کو کھلاتا ہے اور بیواؤں کو روزی بخشتا ہے۔ صرف وہی مصیبت زدوں کی آرام گاہ ہے" +

جب بادشاہ راجدھانی میں واپس آیا تو اس نے محل کی نسبت پوچھا جو یہوداہ نے جس کو توما بھی کہتے ہیں اُس کے لئے تیار کرنا تھا۔ لوگوں نے اسے خبر دی کہ اس نے نہ تو وہاں کوئی محل بنایا ہے اور نہ کسی اور شے کو پورا کیا ہے جس کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ وہ شہروں اور گاؤں میں پھرتا ہے۔ جو روپیہ اس کے پاس ہوتا ہے وہ غرباء اور مساکین کو دے دیتا ہے۔ وہ ایک نئے معبود کی منادی کرتا ہے۔ بیماروں کو تندرست کرتا ہے۔ شیاطین کو نکالتا ہے اور ایسے حیرت انگیز

کام کرتا ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ وہ کوئی جادوگر ہے۔ لیکن وہ مفت علاج کرتا ہے۔ اور کسی سے کوڑی تک نہیں لیتا۔ اس کی سادگی محبت اور ایمان سے ظاہر ہے کہ وہ ایک راستباز شخص ہے اور اپنے معبود کا رسول ہے جس کی وہ منادی کرتا ہے۔ وہ روزہ رکھتا ہے۔ دُعا مانگتا ہے اور روٹی صرف نمک کے ساتھ کھاتا ہے اور پانی کے سوا کچھ نہیں پیتا۔ گرمیوں اور سردیوں میں صرف ایک جوڑا پہنتا ہے۔ اور کسی سے کچھ نہیں لیتا۔ بلکہ اپنی گرہ سے دُوسروں کو دیتا ہے۔" یہ باتیں سُن کر بادشاہ تذبذب میں پڑ گیا۔ اس نے سوداگر اور رسول دونوں کو بُلوا بھیجا اور پُوچھا "کیا محل تیار ہو گیا ہے؟" رسول نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے پوچھا کہ ہم کب دیکھنے کے لئے جائیں؟ رسول نے جواب دیا۔ تُو ابھی اُس کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن جب تو اِس دُنیا سے کُوچ کریگا تب تو اس کو دیکھ سکیگا۔" یہ سُن کر بادشاہ نہایت غضبناک ہُوا اور حُکم دیا کہ سوداگر اور توما دونوں کو پابہ زنجیر کر کے زندان میں ڈال دو۔ اس نے ارادہ کیا کہ دونوں کی کھال زندہ اُتروا دُونگا۔ اور دھکتی آگ میں ڈال دونگا۔ رسول بڑی خوشی سے قیدخانہ گیا اور اس نے سوداگر سے کہا "خوف نہ کر جس خدا کی مَیں منادی کرتا ہوں تو اُس پر ایمان لا تو اس دُنیا سے آزاد ہو کر اگلے جہان میں زندگی حاصل کریگا۔"

بادشاہ کا بھائی جاد اُس مکر اور دغا کا خیال کر کے جو اس کے زعم میں توما نے کیا سخت طیش میں آیا۔ اُس نے اِس قدر پیچ و تاب کھایا کہ وہ اُس کے اثر سے اُسی رات مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے بادشاہ کو بُلایا اور کہا "اگر تُو نے اس جادوگر سے انتقام نہ لیا تو میری رُوح کو آرام نہیں ملیگا"۔ بادشاہ نے جواب دیا "مَیں دونوں کی کھال زندہ اُتروا دُونگا اور ان کو آگ میں جلا کر خاک سیاہ کر دُونگا"۔ جاد نے کہا "اگر تو ان کو اس سے بھی بدتر سزا دے سکتا ہے تو دریغ نہ

کرنا۔ اور اب مَیں اپنے خاندان اور بچوں کو تیرے سپرد کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا فرشتوں نے جاد کی رُوح کو لیا اور آسمان کی طرف لے گئے۔ اور وہاں جا کر اس کو مکانات اور محلات دکھائے۔ اور اس سے پوچھا تو کس جگہ رہنا چاہتا ہے؟ جب وہ اس عمارت کے پاس آئے جو توما رسول نے بادشاہ کے لئے بنائی تھی تو جاد نے فرشتوں کو کہا "مَیں تمہاری منت کرتا ہوں مجھے اس عمارت کے کسی معمولی کمرے میں جگہ دے دو"۔ انہوں نے جواب دیا کہ تُو اس عمارت کے کسی کونے میں نہیں رہ سکتا کیونکہ یہ وہ محل ہے جو رسول نے تیرے بھائی کے لئے تیار کیا ہے۔ اس نے کہا "مَیں تمہاری منت کرتا ہوں مجھے اپنے بھائی کے پاس جانے کی اجازت دو تاکہ مَیں اُس سے یہ محل خرید سکوں کیونکہ وہ ابھی تک نہیں جانتا کہ یہ نہایت اعلےٰ درجہ کی عمارت ہے۔ سو مَیں اس کو خرید سکوں گا"۔ فرشتوں نے جاد کی رُوح کو اجازت دے دی۔ جب لوگ اس کی لاش کو کفن پہنا رہے تھے اُس کی روح اس کے بدن میں واپس آ گئی اور اس نے ان کو کہا "میرے بھائی کو جلدی بلاؤ۔ مَیں نے اُس سے ایک غرض کرنی ہے"۔ بادشاہ فوراً ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ آیا اور اس کو زندہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ جاد نے کہا "برادرِ عزیز۔ میری تیرے حضور ایک درخواست ہے۔ مَیں تیری منت کرتا ہوں اس کو قبول کر۔ بس مجھے ایک چیز بیچ دے"۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا شے ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ "قسم کھا کہ تُو وہ شے بیچ دیگا"۔ بادشاہ نے سوگند کھائی۔ تب جاد نے کہا۔ "جو تیرا محل آسمان پر ہے وہ میرے پاس فروخت کر دے"۔ بادشاہ نے پوچھا "میرے پاس آسمان میں محل کہاں ہے؟" اُس نے جواب دیا۔ "وہی محل جو عبرانی غلام نے تیرے لئے بنایا ہے"۔ تب بادشاہ نے اپنے فائدہ کا خیال کیا۔ اور اس نے کہا "مَیں وہ محل نہیں بیچ سکتا۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ مَیں اُس میں رہنے کے قابل بنوں۔ اگر تُو

ایسا ہی محل چاہتا ہے تو وہ شخص ابھی زندہ ہے۔ اور تیرے لئے اس سے بہتر محل تیار کر دیگا"۔ تب بادشاہ نے رسول اور سوداگر دونوں کو قید خانے سے نکلوایا اور کہا "مَیں تمہاری منت کرتا ہُوں کہ تم میرے لئے دُعا کرو کہ میرا گناہ معاف ہو جائے اور مَیں اس قابل بنُوں کہ اُس محل میں رہُوں جو تم نے میرے لئے بنایا ہے اور جس کے لئے مَیں نے محنت نہیں کی اور مَیں اُس خدا کی خدمت کر سکوں جس کی تم منادی کرتے ہو"۔ بادشاہ کا بھائی جاآد بھی رسول کے قدموں میں گر پڑا۔ اس نے بھی گڑگڑا کر معافی مانگی اور کہا "میرے لئے بھی دعا کرو تاکہ مَیں تمہاری خدمت کر سکوں اور ان چیزوں کے لائق ہو سکوں جو فرشتوں نے مجھے دکھلائی تھیں"۔

رسول یہ سُن کر خوشی سے بھر گیا۔ اور اس نے کہا "اے خداوند یسوع۔ مَیں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے حق کو ان آدمیوں پر ظاہر فرمایا ہے کیونکہ صرف تُو ہی برحق خدا ہے اور تیرے سوا دوسرا کوئی نہیں۔ لوگ اپنی جہالت سے تجھ کو ترک کر دیتے ہیں۔ لیکن تُو کسی کو ترک نہیں کرتا۔ مَیں تیری منّت کرتا ہُوں تُو میری دُعا کو سُن اور بادشاہ اور اس کے بھائی کو قبول فرما۔ ان کو اپنے گلّے میں شامل کر۔ اُن کو دھو اور ان کی غلطی سے ان کو پاک کر اور اپنے تیل سے مسح کر۔ ان کو اپنی چراگاہوں میں لے چل اور بھیڑیوں سے محفوظ رکھ۔ ان کو غیر فانی چشموں کا پانی پلا جو نہ کبھی پلید ہوتا ہے اور نہ سوکھتا ہے۔ وہ تیرے خادم بننا چاہتے ہیں اور تیری خاطر اسی طرح مرنے کو تیار ہیں جس طرح تو نے ہماری خاطر اپنی جان دے دی کیونکہ تُو ہی واحد خداوند اور اچھا چرواہا ہے۔ بخش دے کہ وہ صرف تجھ پر ہی ایمان رکھیں۔ اُن کو اپنی جناب سے مدد دے۔ اور نجات کی اُمید کا یقین عطا فرما تاکہ وہ تیرے فضل میں قائم رہیں۔ اور کامل ہو جائیں"۔

بادشاہ اور اس کا بھائی جاد رسول پر جان دیتے تھے۔ وہ غرباء کی حاجتوں کو دُور کرتے اور سخاوت میں لگے رہتے تھے۔ انھوں نے مسیحی ہونے کی درخواست کی۔ اور رسول نے بڑی خوشی سے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
جب صبح ہوئی تو اس نے روٹی توڑی اور ان کو مسیح کی پاک شراکت میں شامل کیا اور وہ نہایت خوش اور شادمان ہُوئے اور بہت سے دوسرے لوگ بھی ایمان لائے اور مُنجی کی پناہ میں آ گئے۔

جب رات ہوئی اور رسول سو گیا تو خداوند اُس کے پاس آیا اور اس کے سرہانے کھڑا ہو کر کہنے لگا "توما۔ علی الصباح اُٹھ کر ان سب کو برکت دے۔ اور مشرقی سڑک پر چلا جا۔ کیونکہ تیرے جانے سے یہاں کے لوگ میری پناہ ڈھونڈینگے۔ اور مَیں تجھ پر اپنا جلال ظاہر کروں گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ص ۳۶۵-۳۷۷

پس مقدس توما، گُنڈافورس کے دارالحکومت سے روانہ ہو گئے اور ایک بادشاہ کی حدود میں گئے جس کا نام مزدیئے تھا۔ وہاں آپ نے وزیر اعظم کی بیوی مگدونیہ کو مسیحی کیا۔ اور پھر ملکہ اور شاہزادہ ولی عہد اور دربار کے اراکین مسیحی ہو گئے اس پر بادشاہ مزدیئے نہایت غضب ناک ہُوا۔ اور اس نے مقدس توما کو قید کر دیا۔ وہاں آپ نے قیدیوں کو خدا کا کلام سُنایا اور قید خانے کے تمام لوگ آپ کی وجہ سے نہایت خوش تھے۔ قید خانے کے داروغہ نے بادشاہ سے عرض کی کہ آپ کو کسی دوسرے زنداں میں بھیجا جائے۔

تب بادشاہ مزدیئے قید خانہ میں گیا۔ اس نے رسول کو بلوا بھیجا۔ اور اس سے کہا "کیا تو میری قید میں نہیں ہے؟ تو کس طرح کہتا ہے کہ مَیں آزاد ہُوں؟" توما نے جواب دیا "میں اُس کی قید میں ہُوں جس پر تجھے کوئی اختیار نہیں ہے"

بادشاہ نے پُوچھا۔ "تو اس مُلک میں کہاں سے بھاگ کر آیا اور کس طرح آیا ہے؟"
توما نے جواب دیا۔ "میرے مالک نے مجھے فروخت کر کے اِس ملک میں بھیجا ہے
تاکہ مَیں تیرے ہاتھ سے اس دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں۔" مزدیئے نے پوچھا "تیرا
مالک کون ہے۔ اس کا کیا نام ہے اور وہ کس مُلک کا باشندہ ہے؟" توما نے
جواب دیا۔ "میرا مالک میرا خداوند ہے جو آسمان اور زمین کا خالق ہے۔ اُس کا نام
یسُوع مسیح ہے"۔ بادشاہ نے کہا "مَیں نے تیرے ساتھ بہت صبر کیا ہے لیکن
تیرے بُرے کام حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اور تیری جادوگری کا شہرہ ہر جگہ
ہو رہا ہے لیکن اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور مَیں تجھ کو زندہ نہ چھوڑونگا"
بادشاہ اس سوچ میں تھا کہ اس کو کس طرح مروا ڈالے لیکن لوگوں سے ڈرتا تھا
کیونکہ اس کی رعایا میں سے بہت لوگ ایمان لا چکے تھے اور عمائدین سلطنت بھی
ایمان داروں کے زمرہ میں شامل ہو چکے تھے۔ پس وہ اس کو شہر کے باہر لے گیا۔
اور مسلح فوج اُس کے ہمراہ تھی۔ رعایا نے خیال کیا کہ بادشاہ اس سے تعلیم حاصل
کرنا چاہتا ہے۔ پس وہ خاموش ہو رہے۔ بادشاہ رسول کو ایک میل شہر سے
باہر لے آیا اور اس کو چار سپاہیوں کے حوالے کیا۔ اور ان کو حُکم دیا کہ اس کو پہاڑ
پر لے جاؤ اور بھالے سے چھید کر مار ڈالو۔" یہ کہہ کر وہ شہر کو واپس آ گیا۔۔۔۔۔
جب وہ پہاڑ پر پہنچے جہاں اس کو قتل ہونا تھا اس نے کہا "بھائیو میری آخری
باتیں سُن لو۔ کیونکہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب میری رُوح تن سے جُدا ہو جائے۔
چشمِ بصیرت کو کھولو۔ اور گوشِ ہوش سے سُنو۔ اُس خدا پر ایمان لاؤ جس کی مَیں
منادی کرتا رہا ہُوں۔ اپنے دل کی سختی کو دُور کرو۔ اور اُس کی روشنی میں چلو جو
زندگی کا نور ہے"۔ پھر اس نے شہزادہ ولی عہد کو مخاطب کر کے کہا "اے شاہزادے
تو ہمارے خداوند یسُوع مسیح کا خادم ہے۔ اِن سپاہیوں کو حُکم دے کہ مجھے دُعا

مانگنے کی مہلت دیں"۔ جب سپاہیوں نے اس کو دعا مانگنے کی مہلت دی
تو مبارک توما ایک طرف چلا گیا۔ اُس نے گھٹنے ٹیکے اور پھر آسمان کی طرف
ہاتھ پھیلا کر یہ دُعا مانگی :۔ اے میرے خداوند خدا۔ دیکھ میں تیری مرضی کو پورا کرتا
ہُوں تو آخری دم تک میرے ساتھ ہو۔ تو میری جوانی سے لے کر اب تک میری
آزمائشوں میں میرا مددگار رہا ہے۔ تُو نے مجھ پر ظاہر کیا تھا کہ مَیں تیرا غلام ہوں۔
میرا منہ اس قابل نہیں کہ تیری حمد و ستائش کرے۔ تیری پروردگاری میرے خیال اور
فہم سے بھی پرے ہے۔ کیونکہ وہ تمام عمر میرے ساتھ رہی ہے۔ تو نے مجھے حقیقی
دولت عطا کی۔ مَیں نے بھوک۔ پیاس۔ ننگے پن اور قید کی حالت میں تیری خدمت
کی ہے اور تیری مرضی کو پورا کیا ہے۔ میری محنت اکارتھ نہ جائے۔ بخش
دے کہ جو بیج مَیں نے بویا ہے وہ پھل دار ہو۔ اور دشمن اُس زمین میں کڑوے دانے
بونے نہ پائے۔ جہاں مَیں نے تیرا انگور کا درخت لگایا ہے وہ اب پھیل گیا ہے مَیں
نے تیرے توڑوں کا اچھا استعمال کیا ہے۔ تاکہ تُو ان کو سُود سمیت حاصل کر لے۔
تُو نے مجھے اپنی ضیافت میں بُلایا اور میں شادی کے لباس میں حاضر ہو گیا ہُوں۔
اے مسیح میری آنکھیں تجھ کو دیکھتی ہیں اور میرا دل شادمانی سے بھرا ہے کیونکہ
میں تیرے حکموں کو بجا لایا ہُوں اور مَیں نے تیری مرضی کو پورا کیا ہے۔ ......
اے مسیح تیری قوّت میرا تاج ہے۔ یہ بخش کہ مَیں اب سکونِ خاطر اور خوشی اور سلامتی
سے اس دُنیا سے رخصت ہُوں۔ اور اپنے عادل منصف کے حضور کھڑا ہو سکوں
اے میرے خُداوند اور نجات دینے والے خُدا۔ تُو اُن سب کے ساتھ ہو جو تیری
خدمت کرتے ہیں اور آج کے دن میرا رہبر ہو کیونکہ مَیں تیرے حضور حاضر ہونے
والا ہوں۔ مَیں اپنی رُوح تیرے سپرد کرتا ہُوں"۔ جب وُہ دُعا مانگ چُکا تو اس نے
سپاہیوں کو بُلایا اور کہا "جو حکم تم کو ملا ہے اُس کے مطابق عمل کرو"۔ چاروں سپاہی

اِس پر ٹوٹ پڑے اور اس نے جان دے دی۔

جب تمام بھائیوں نے رونا دھونا ختم کیا تو وہ خوبصورت کپڑے لائے اور اس کو مہین چادر میں لپیٹا اور شاہی قبرستان میں دفن کیا۔۔۔۔۔

اس دُنیا سے رخصت ہونے سے پہلے توماؔ رسول نے صفور کو (جو بادشاہ کا جرنیل تھا) پرسبٹر بنایا اور ویزان شاہزادہ ولی عہد کو ڈیکن کے عہدے پر مامور کیا۔ خداوند نے ان کے ذریعہ بہت سے کام کئے اور بہت لوگ ایمان داروں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

بہت دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ بادشاہ کا ایک بیٹا بیمار ہو گیا لیکن کوئی طبیب اس کو اچھا نہ کر سکا۔ پس بادشاہ نے خیال کیا کہ میں جا کر توماؔ کی قبر کو کھودوں گا اور اس کی ہڈی سے اپنے بیٹے کے جسم کو چھوؤنگا۔ تاکہ وہ اچھا ہو جائے۔ جب اس نے قبر کھودی تو رسول کی ہڈیوں کو نہ پایا۔ کیونکہ بھائیوں میں سے ایک نے ان کو چُرالیا تھا اور اس کی لاش کو مسوپوٹامیہ (عراق) لے گئے تھے پس اس نے قبر کی خاک سے ایک مٹھی لی اور اپنے بیٹے کے گلے میں ڈال کر کہا "اے یسُوعؔ مسیح۔ مَیں تجھ پر ایمان لاتا ہُوں"۔ اس کا بیٹا فوراً تندرست ہو گیا۔ پس بادشاہ بھی ایمان داروں کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ اور اس نے پرلیبٹ صفور کے ہاتھوں پر اپنا سر جھکایا۔ اور صفور نے بھائیوں سے کہا۔ تم سب بادشاہ مزدیؔ کے لئے دُعا کرو کہ خداوند اس پر رحم کرے۔ اور اس کے گناہِ عظیم کو یاد نہ کرے۔ پس سب بھائیوں نے اس کے لئے دُعا کی۔ اور سب شادمان تھے کہ بادشاہوں کے بادشاہ نے شاہ مزدیؔ کو ایمان کی توفیق بخشی اور وہ ایمانداروں کے گروہ میں شامل ہو گیا جو مسیح پر ایمان لائے تھے اور باپ بیٹے اور روح القدس کی حمد کرتے تھے جس کی قدرت اور ستایش اب اور ابدالآباد ہوتی رہے۔ آمین"۔

صہ ۴۲۸-۴۳۸ -

مقدس توما اور سریانی کلیسیا

مندرجہ بالا اقتباسات کتاب "توما رسول کے اعمال" سے اخذ کئے گئے ہیں یہ کتاب ڈاکٹر جیمس نے یونانی زبان سے ترجمہ کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کہتے ہیں "اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کہ اعمال کا یونانی متن شامی زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے۔" (صہ ۳۶۴) جرمن عالم نولدیکی کی بھی یہی رائے ہے۔ پروفیسر برکٹ کا بھی یہی خیال ہے۔ پس مقدس توما کے اعمال کی کتاب پہلے پہل شامی زبان میں لکھی گئی اور بعد میں اس کا ترجمہ یونانی۔ لاطینی۔ ارمنی۔ حبشی۔ عربی اور قبطی زبانوں میں کیا گیا۔

ڈاکٹر رائٹ (Wright) کا خیال ہے کہ یہ کتاب چوتھی صدی مسیحی سے پہلے تصنیف کی گئی تھی۔ ڈاکٹر برکٹ (Burkitt) کہتے ہیں کہ وہ سنہ ۲۵۰ء سے پہلے کی تصنیف ہے۔ لپ سیس (Lipsius) کہتا ہے کہ وہ سنہ ۲۳۲ء میں تحریر کی گئی اور جرمن عالم ہارنیک (Harnack) کی رائے ہے کہ یہ کتاب سنہ ۲۳۰ء سے پہلے لکھی گئی۔ ڈاکٹر فارقہر کہتا ہے۔ کہ یہ کتاب سنہ ۱۸۰ء اور سنہ ۲۳۰ء کے درمیان شامی زبان میں ایڈیسہ میں لکھی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ کتاب "توما کے اعمال" اصلی کتاب نہیں ہے راقم الحروف کے خیال میں ڈاکٹر کارل شمٹ (Carl Schmidt) کی صائب رائے درست ہے کہ سنہ ۲۰۰ء کے قریب کسی ناسٹک مصنف نے اصلی

I.F.A. D'Cruz, St. Thomas the Apostle in India p. 8.

"توما کے اعمال" کی کتاب کو لے کر دیگر کتبِ موضوعہ ([illegible] Books) کی شکل اور موضوعہ اعمال کے ڈھانچہ کے مطابق کر کے اس کو ناستک خیالات کی اشاعت کا وسیلہ بنا دیا۔[1]

پس ہمارے خیال میں "مقدس توما رسول کے اعمال" کی کتاب درحقیقت پہلی صدی کے آخر یا دوسری صدی میں موجود تھی۔ اور یہ نہایت اغلب ہے کہ یہ کتاب یا تو اُن خطوط پر مشتمل تھی جو مقدس رسول نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ہندوستان سے لکھے تھے (جن کا مفصل ذکر بعد کے ابواب میں کیا جائیگا) اور یا اُن خطوط کی بنا پر اور اُن لوگوں کے زبانی بیانات پر مشتمل تھی جو ایذیسہ سے آکر آپ کی صحبتِ بابرکت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ یہ اصلی کتاب اب ضائع ہو گئی ہے اور اس کی جگہ ایک ایسی کتاب نے لے لی ہے جس کے مصنف نے چند تواریخی ناموں اور معتبر رِوایتوں کو لے کر ایک افسانہ گھڑا ہے جس کے ذریعہ وہ ایسے ناستک اور بدعتی خیالات کا پرچار کرنا چاہتا ہے جن کو مقدس پولوس رسول مردود قرار دیتا ہے (ا۔تمطا۔ ۴: ۱-۵ وغیرہ) اس کتاب کے مصنف کو نہ تاریخ سے دلچسپی ہے اور نہ جغرافیہ سے دل بستگی۔ بس اس کو ایک ہی دُھن ہے کہ وہ ناستک خیالات کی مقدس توما کی زبان سے تبلیغ کرائے۔ اگرچہ بعض مقامات میں وہ عہدِ جدید کی کُتب میں سے چاروں انجیلوں کا اور کتاب اعمال الرسل کا۔ مقدس پولوس کے خطوط بالخصوص افسیون اور ا و ۲ تیمتھیُس کا۔ عبرانیوں کے خط کا اور ا۔ پطرس کے خط اور ا۔ یوحنا کے خط اور مکاشفات کی کتاب کا استعمال کرتا ہے تاہم وہ

1. T. K. Joseph in Young Men of India for May 1926, pp. 347 & 348 (note).

بسا اوقات ایسی فاش غلطیاں کرتا ہے۔ جو مبتدیوں سے بھی چھپی نہیں رہ سکتیں۔ مثلاً وہ مقدس توما کو منجیٔ عالمین کا توام بھائی اور ہم شکل بتلاتا ہے۔ اس غلطی کی غالباً یہ وجہ تھی کہ کلمتہ اللہ کے ایک بھائی کا نام بھی یہوداہ تھا۔ اسی اس کتاب کا مصنف مقدس توما کا پیشہ ماہی گیری کی بجائے بڑھئی بتلاتا ہے۔ اور یہ کوشش کرتا ہے کہ توما رسول کی زندگی کے واقعات اور معجزات کو ایسے رنگ میں پیش کرے کہ وہ خداوند مسیح کی زندگی اور معجزات کی صدائے بازگشت ہوں۔ یہ کتاب ایک ناول ہے جس میں صرف چند نام تواریخی اور دو ایک واقعات قابل اعتبار ہیں اور بس۔ اس لحاظ سے وہ الف لیلہ کے قصوں کی مانند ہے جس میں خلیفہ ہارون رشید۔ جعفر۔ برمکی وغیرہ چند نام اور بغداد۔ موصل وغیرہ چند مقام تاریخی ہیں باقی کتاب محض افسانہ ہے۔ اس کے مصنف نے عجیب عجیب خوش اعتقادیاں پیدا کر دی ہیں جس کی وجہ سے مقدس توما کی افسانوی شہرت اس کی تاریخی اہمیت پر غالب آگئی ہے۔ اور تاریخ کا مقدس توما کہانیوں کے توما میں گم ہو گیا ہے "توما کے اعمال کی کتاب" میں اور انجیلی مجموعہ کے "رسولوں کے اعمال کی کتاب" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ تاریخی واقعات اور حقیقت کی چٹان پر مبنی ہے۔ (لوقا ۱: ۱-۳) لیکن "توما کے اعمال کی کتاب" اس کے مصنف کے باطل خیالات اور اس کی قوتِ متخیلہ کی مرہون منت ہے۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ڈاکٹر فارقہر Farquhar کے خیال میں یہ کتاب شہر ایڈیسہ میں لکھی گئی تھی۔ اس شہر کا موجودہ نام اورفہ ہے۔ شہر ایڈیسہ ایک نہایت خوبصورت مقام پر شمالی مسوپوتامیہ میں دریائے فرات کے ایک معاون دریا دیسان کے کنارے واقع تھا۔ یہ شہر پانی کے چشموں کے لئے مشہور تھا۔ اور اوسروہین کی چھوٹی ریاست کا دارالسلطنت تھا۔ اس کے

بادشاہوں کا لقب "ابگر" تھا جس طرح مصر کے بادشاہوں کا لقب "فرعون" اور روم کے شہنشاہوں کا لقب "قیصر" تھا۔ ابگر پارتھی سلطنت کے باجگزار تھے۔ پارتھی سلطنت تین صدیوں تک رومی سلطنت کا ہم پلہ رہی اور اس کی حدود دریائے سندھ سے لے کر دریائے فرات تک اور بحرِ ہند سے لے کر بحرِ کیسپین اور کوہ ہندوکش تک وسیع تھیں۔

ابتدائی صدیوں کا مسیحی مؤرخ یوسی بئیس[1] Eusebius ہم کو بتلاتا ہے کہ ایڈیسہ کے بادشاہ ابگر سیاہ نے ایک دفعہ اپنے ایلچی ملک فینیکی کو بھیجے جہاں انہوں نے اُن عجائب کاموں کا بیان سُنا جو خداوند مسیح یروشلیم میں کر رہے تھے۔ پس وہ اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے یروشلیم گئے اور خداوند کے کلمات اور معجزات کو دیکھ سُن کر دنگ رہ گئے۔ ایڈیسہ جا کر انہوں نے تمام چشم دید حالات کو بادشاہ کے سامنے بیان کیا۔ کچھ عرصے کے بعد "ابگر" بیمار ہو گیا ایسا کہ طبیب اس کا علاج نہ کر سکے۔ اس نے مسیح خداوند کے پاس پیغام بر بھیجے اور ایک خط بھی لکھا جو یوسی بئیس کی تاریخ کلیسیا میں موجود ہے یہ روایت اور خط و کتابت غالباً تاریخی نہیں بہر حال ہم اس کا ترجمہ پروفیسر جیمس کی کتاب "اپوکرفل نیو ٹسٹامنٹ" سے کرتے ہیں[2]:-

"اُس خط کی نقل جو شاہ ابگر نے یسوع کو لکھا اور حنانیاہ ہرکارے کے ہاتھ یروشلیم بھیجا۔

---

1. Eusebius, Ecclesiastical History 1.13
2. M. R. James, The Apocryphal New Testament pp. 466-7

ابگر اُکاما بادشاہ کی طرف سے یسُوع نیک نہاد منجی کی خدمت میں جو ان دِنوں یروشلیم میں ظاہر ہؤا ہے سلام پہنچے۔ مَیں نے آپ کی نسبت بہت کچھ سُنا ہے اور یہ بھی سُنا ہے کہ آپ بغیر کسی دوا کے علاج کرتے ہیں یہاں تک کہ اندھے دیکھتے، لنگڑے چلتے اور کوڑھی پاک صاف کئے جاتے ہیں۔ بدروحیں اور شیاطین نکالے جاتے ہیں۔ مدت کے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مُردے زندہ ہو جاتے ہیں... یہ باتیں سُن کر مَیں یہ خط آپ کی خدمت میں لکھ رہا ہُوں۔ مَیں بیمار ہُوں آپ میرے پاس آنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ مَیں نے یہ بھی سُنا ہے کہ اہل یہود آپ کے خلاف بڑبڑاتے ہیں اور آپ کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔ آپ میرے پاس ہجرت کر آئیں[1]۔ میری بادشاہی چھوٹی سی ہے لیکن اس کی آمدنی خاصی ہے۔ اور میرے اور آپ کے لئے کافی ہے"۔

یسُوع کا جواب جو حنانیاہ ہرکارے کے ہاتھ شاہ ابگر کو بھیجا گیا۔

"تُو مبارک ہے جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا ہے۔ میری نسبت تو یہ لکھا ہی ہے کہ جو مجھے دیکھینگے وہ مجھ پر ایمان نہیں لائینگے لیکن جو مجھ کو نہیں دیکھینگے وہ ایمان لائینگے اور زندہ رہینگے۔ لیکن یہ جو تم نے لکھا ہے کہ میرے پاس آجاؤ۔ مَیں

---

[1] نہایت ممکن ہے کہ جن یونانیوں کا ذکر مقدس یوحنا رسول نے اپنی انجیل (باب ۱۲: ۲۰ تا ۳۳) میں کیا ہے وہ شاہ ابگر کی طرف سے آئے ہوں اور انہوں نے منجیٔ جہان کو ہجرت کی دعوت دی ہو۔ جس طرح قبائل مدینہ نے حضرت محمد کو ہجرت کی دعوت دی تھی۔ مقدس یوحنا کا بیان پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند مسیح کے لئے یہ آزمائش نہایت سخت تھی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس مَیں کیا کہوں؟ اے باپ مجھے اس گھڑی سے بچا؟ لیکن مَیں اسی سبب سے تو اس گھڑی کو پہنچا ہوں۔ اے باپ اپنے نام کو جلال دے"۔ آپ اس زبردست آزمائش پر غالب آئے۔ بالخصوص دیکھو آیات ۲۳ تا ۲۷، برکت اللہ

نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ضرور ہے کہ میں اُن سب باتوں کو پورا کروں جن کے سبب میں
یہاں بھیجا گیا ہوں۔ جب میں سب کچھ پورا کر چکونگا تو اُس کے پاس واپس جاؤنگا
جس نے مجھے بھیجا ہے۔ لیکن جب میں اُوپر چڑھایا جاؤنگا تو میں اپنے ایک رسول
کو تیرے پاس بھیجوں گا جو تجھ کو شفا عطا کریگا۔ تب تُو اپنے ساتھیوں سمیت
زندگی حاصل کرے گا"۔

کہتے ہیں کہ خداوند نے مقدس توما کو حکم دیا تھا کہ یہ جواب لکھے۔ اس جواب
کی کثرت سے نقلیں کی گئیں اور ایڈیسہ کے مسیحی اس کو تبرکاً بطور تعویذ استعمال کیا
کرتے تھے۔ حُسنِ اتفاق سے ڈاکٹر کیورٹن نے جنوبی مصر کی ایک خانقاہ سے
برٹش میوزیم کے لئے جو قدیم نسخے حاصل کئے اُن میں یہ خط اور جواب دونوں موجود ہیں۔
شاہ ابگر سیاہ نے یہ خط قیصر طبریاس کی حکومت کے پندرھویں برس میں لکھا تھا۔

روایت ہے کہ ابن اللہ کے جلالی صعود کے بعد مقدس توما نے رُوح کی ہدایت
پا کر تدی (یا ادّیئے) کو ایڈیسہ روانہ کیا جس نے نہ صرف بادشاہ کو چنگا کر دیا بلکہ تمام
بادشاہت میں مسیحیت کی اشاعت کر دی۔ اس نے ایڈیسہ میں اور گرد و نواح کے
گاؤں میں گرجے بنائے اور قسیس اور شماس (پریسٹ اور ڈیکن) مقرر کئے۔ ان
باتوں کے بعد وہ بیمار ہو گیا۔ اور اس نے اگئے کو اپنے پاس تمام جماعت کے رُوبرُو
بلایا اور اس کو اپنی جگہ کلیسیا کا رہبر اور عامل[1] مقرر کر کے اس دُنیا سے رحلت کر گیا۔
اگئے نے تمام مسوپوتامیہ۔ ایران۔ اسیریا۔ آرمینیا اور بابل کے ارد گرد کے تمام
ملکوں میں ہندوستان تک "پریسٹ اور رہبر" مقرر کر دیئے۔ اگئے اچانک شہید
کر دیا گیا۔ اور وہ کسی کو اپنی جگہ بشپ مقرر نہ کر سکا۔ پس پالوت پریسٹ انطاکیہ
گیا اور وہاں کے بشپ سیراپئین (Serapion) نے اس پر ہاتھ رکھے۔

1. Milne Rae, p. 32.

اور اس کو بشپ بنا کر ایڈیسہ واپس بھیج دیا۔[1]

مندرجہ بالا روایت سُریانی کلیسیا کی ابتداء کے متعلق ہے۔ کتاب "رسولوں کے اعمال" سے پتہ چلتا ہے کہ پینتکوست کے دن یروشلیم میں پارتھی اور میدی اور علامی اور مسوپوتامیہ کے رہنے والے" یہودی مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے۔ پس ایڈیسہ کے رہنے والے ابتدائے مسیحیت سے ہی کلیسیا میں شامل ہو گئے تھے۔ بہرحال تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵۰ء کے قریب مسیحیت کے قدم ایڈیسہ میں اچھی طرح جم چکے تھے۔ تدی یا ادی ایک دورہ کرنے والا مبشر تھا۔ جو ۹۰ء یا ۹۵ء کے قریب ایڈیسہ میں آیا تھا اور وہاں سے ۹۹ء کے قریب ادیابین کو جو دریائے دجلہ سے پرے واقع ہے چلا گیا تھا۔ پس دوسری صدی کے آغاز سے ایڈیسہ کا شہر پشتوں تک گرد و نواح کے ممالک کے لئے مسیحیت کے انوار کا مرکز بنا رہا۔ اس کے بیسیوں مبلغین نے غیر ممالک میں جا کر منجی عالمین کی انجیل کی خوشخبری دی۔ اس کلیسیا کے ہزاروں مسیحیوں نے اپنے خون سے مسیحی ایمان پر مہر لگا دی۔ اس کے فاضل علماء نے کتبِ مقدسہ کا ترجمہ سُریانی[2] زبان میں کیا۔ پہلے پہل عہدِ جدید کا ترجمہ سُریانی زبان میں ایڈیسہ میں ہی کیا گیا تھا۔ اِن وجوہ کے باعث ایڈیسہ کو "شام کا ایتھنز" کہا گیا ہے۔

سطورِ بالا سے ظاہر ہے کہ سُریانی کلیسیا کا ابتدا ہی سے یہ خیال رہا ہے

---

[1] Harnack, Mission & Expansion. II. 142.

[2] سُریانی زبان، ارامی زبان کی تحریری شکل ہے۔ جو اوسرو ہین اور ادیابین میں مروج تھی۔ (برکت اللہ)

کہ مقدس توما اُن کا اپنا رسول ہے۔ اگرچہ وہ تسلیم کرتی ہے کہ مقدس توما نے
انجیل جلیل کی منادی ہندوستان میں کی اور وہ خود شام کی جانب کبھی تشریف نہیں
لے گئے۔ لیکن ان کی کلیسیائی روایت کے مطابق چونکہ مقدس توما نے تدی یا ادّی
کو جو روایت کے مطابق ستر میں سے تھا (لوقا ۱۰:۱) نجات کا جانفزا پیغام سنانے
کے لئے اُن کے پاس بھیجا تھا۔ لہذا سُریانی کلیسیا نے مقدس توما کو اپنا لیا تھا۔
سُریانی لٹریچر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مقدس توما نے ہندوستان سے ایڈیسہ
کی سُریانی کلیسیا کو خطوط بھی لکھے تھے[1]۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ایڈیسہ کی کلیسیا
نے ان خطوط کو کس عزت اور احترام سے رکھا ہوگا اور وہاں کے مسیحی کس شوق سے
خُداوند کے رسول کے خطوط کو پڑھتے ہونگے۔ اور دُوسری کلیسیاؤں کو ان کی نقلیں
بھیجتے ہونگے۔ ایڈیسہ اور ادسروہین کے مسیحی سوداگر جب ہندوستان کی بندرگاہوں
میں آتے ہونگے تو وہ والہانہ رسول کی زیارت کرنے کی خاطر حاضر ہوتے ہونگے
اور خود رسول کی زبان سے منجیٔ عالمین کی تعلیم موت اور قیامت کے حالات سن کر
وارفتہ ہو جاتے ہونگے۔

جب مقدس توما نے شہادت کا درجہ حاصل کیا تو ان عاشقانِ رسول سے
نہ رہا گیا اور غالباً دوسری صدی کے درمیان میں وہ ہندوستان آکر مقدس توما
کی مُبارک ہڈیاں چرا کر لے گئے۔ اور ۳۔ جولائی کے روز ایڈیسہ پہنچ گئے
سُریانی کلیسیا کے بشپ نے حکم دیا کہ ہر سال ۳ جولائی کا دن مقدس توما
رسول کی شہادت کا عُرس منایا جائے۔ جب مابعد کے زمانہ میں شاہی خاندان
نے مسیحی ہونے کا شرف حاصل کیا تو ایک مسیحی بادشاہ نے سنہ ۳۵ء میں رسول کی قبر

1. Farquhar, Apostle Thomas in N. India p. 27.

پر ایک گرجا بنوایا۔ اور اس کا نام "مقدس توما کا گرجا" رکھا۔ مقدس افرائیم نے اپنی زندگی کے آخری دس سال (۳۶۳ء تا ۳۷۳ء) شہر ایڈیسہ میں کاٹے تھے۔ اُن دنوں میں یہ گرجا گھر قائم تھا۔ چنانچہ مقدس افرائیم اپنے ایک مشہور و معروف گیت[1] میں کہتا ہے :۔

"اے توما۔ تو کیا ہی عظیم ہستی ہے۔ ملک التجار تیری ہڈیاں لاتا ہے صدر اسقف تیرا عُرس مناتا ہے اور بادشاہ تیرا مزار تعمیر کرتا ہے"۔ اگرچہ یہ گرجا نہایت خوب صورت تھا تاہم وہ توما رسول جیسی عظیم الشان ہستی کی شان کے شایاں نہ سمجھا گیا۔ پس چند سالوں کے بعد ایک اور عالیشان گرجا گھر تعمیر کیا گیا اور ۳۹۴ء میں مقدس توما کی مبارک ہڈیاں وہاں منتقل کی گئیں۔

پس اگرچہ مقدس توما رسول نے اپنی حین حیات میں ایڈیسہ کو اپنی جسمانی حضوری کا شرف عطا نہیں کیا تھا تاہم ابتدا ہی سے شام کی کلیسیا آپ کو اپنا خاص الخاص رسول مانتی چلی آئی ہے۔ اور یہی امتیازی نشان اُن تمام مشرق کی کلیسیاؤں کا ہے جو سُریانی کلیسیا کی تبلیغی مساعی کی وجہ سے مشرف بہ مسیحیت ہوئی تھیں اور یوں جو جگہ مقدس پطرس کو کلیسیائے مغرب میں حاصل ہے وہی جگہ مقدس توما کو مشرق کی کلیسیا میں حاصل ہے +

---

[1] اس گیت کے بعض حصے اس رسالہ کے آخر میں درج ہیں۔ (برکت اللہ)

باب دوم

کلیسیائی روایت کی صحت

گذشتہ باب میں مقدس توما کی زندگی کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں
ان کے دو ماخذ ہیں۔ ایک انجیل جلیل اور دوسرا شامی کلیسیا کی روایت۔ جہاں
تک انجیل جلیل کے بیان کا تعلق ہے اُس کی صحت میں رتی بھر شک کی گنجائش
نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُن کے لکھنے والوں نے "سب باتوں کا سلسلہ شروع سے
اُن لوگوں سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ترتیب دے کر لکھا جو ابتدا ہی سے
ان باتوں کے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے" (لوقا ۱:۱-۳) لیکن سُریانی
کلیسیا کی روایت تصدیق طلب ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم اس کو اُن معیاروں
کی کسوٹی پر پرکھیں جو علمِ تاریخ نے سچ اور جھوٹ کی پہچان کے لئے مقرر کر
رکھے ہیں۔ بالخصوص جب ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب "مقدس توما کے اعمال" غلط
ناستک تعلیم اور خارق عادت فضول قصوں سے بھری پڑی ہے تو یہ گمان اور بھی
غالب ہو جاتا ہے کہ جیسا ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ کتاب از سر تا پا ایک افسانہ ہے
جس میں صداقت کی جھلک بھی نہیں پائی جاتی۔ پچاس سال ہوئے مغرب
کے علماء اور مورخین اسی نتیجہ پر متفق تھے کہ تاریخی لحاظ سے اس کتاب کی
قیمت صفر سے بھی کم ہے۔

لیکن یہ کتاب دوسری صدی کے اندر لکھی گئی تھی جس میں ایک ایسی
روایت درج ہے جو اُس سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ پس ہم اس کو سرسری طور پر
یونہی رد نہیں کر سکتے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ رسولی زمانہ اور اُس کے بعد

کے سالوں میں لوگوں کے دلوں میں مختلف رسولوں کے کارناموں کی یاد ابھی تازہ ہی تھی اور دوسری صدی کے ابتدائی مسیحی اِن امور سے ضرور واقف تھے کہ منجیٔ عالمین کے رسول کس کس ملک میں گئے اور کس کس قوم کی نجات کا باعث ہُوئے۔ اور کس مُلک میں کس رسُول نے کس کلیسیا کی بنیاد ڈالی۔ اس قسم کی باتیں عوام النّاس کو مدّتِ مدید تک یاد رہتی ہیں اور کوئی کتاب مقبولِ عام نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس میں کم ازکم یہ واقعات صحت اور درستی سے درج نہ ہوں خواہ کسی دوسرے لحاظ سے وہ کتاب افسانہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس اگر مقدس توما رسُول کے اعمال کی کتاب"، کا مرکزی خیال کہ مقدس توما رسول ہند تھے تاریخی لحاظ سے درست اور صحیح واقعہ نہ ہوتا تو یہ کتاب ہرگز مقبولِ عام نہ ہوتی اور نہ اتنی زبانوں میں ترجمہ کی جاتی۔ اور نہ سُریانی کلیسیا کا کوئی فرد اس کو تصنیف کرتا کیونکہ کسی سُریانی مصنّف کو کیا غرض پڑی تھی کہ وہ ہندوستان کا ذکر کرتا جب اس کی کلیسیا کی سرتوڑ کوشش یہی رہی کہ کسی نہ کسی طرح مقدس توما کے ساتھ ایسا تعلّق رکھے کہ وہ رسُول کو اپنا بنا سکے۔

علاوہ ازیں تمام کلیسیائی مؤرّخ اور مصنّف بیک آواز کہتے ہیں۔ کہ مقدس توما نے ہندوستان میں انجیل شریف کی بشارت دی۔ چنانچہ "مقدس توما کے اعمال کی کتاب" (از ۱۸۰ء تا ۲۳۰ء) کے علاوہ نسی بن کا مقدس افرائیم (Ephraem of Nisibus) (تاریخ وفات ۳۷۳ء) نازی این زس کا مقدس گریگوری (Gregory of Nazianzus) (۳۹۰ء)۔ مقدس امبروز (Ambrose) (۳۸۹ء)۔ تور کا مقدس گریگوری (Gregory of Tours) ۵۹۰ء میں یہی کہتے ہیں کہ مقدس توما ہندوستان کے رسول تھے۔ اس کے برعکس مقدس اوریجن

(Origen) جو سکندریہ کے مدرسۂ الٰہیات کے پرنسپل تھے اور تاریخ "کلیسیا کا باپ" مؤرخ یوسی بئیس (Eusebius) کہتے ہیں کہ مقدس توما ملکِ پارتھیا کے رسول تھے۔ ٹراونکور کے عالم مسٹر جوزف کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ سکندریہ میں ہندوستانی اپنے وطن کو "بھارت" (ہندوستان) اور اپنے آپ کو "بھارتیا" (ہندوستانی) کہتے ہوں لیکن اوریجن نے "پارتھیا" سمجھ لیا ہو[1]۔ لیکن اگر یہ درست نہ بھی ہو تاہم جیسا ذکر کر چکے ہیں اور آئندہ ابواب سے ظاہر ہو جائیگا سلطنت پارتھیا کی مشرقی حدود دریائے سندھ کے کنارے تک جاتی تھیں۔ پس موجودہ ہندوستان کا شمالی حصہ پارتھیا کی حدود میں شامل تھا۔ لہٰذا اوریجن اور یوسی بئیس بھی درحقیقت اس روایت کے خلاف نہیں کہ مقدس توما ہندوستان کے رسول تھے۔ مقدس جیروم چوتھی صدی میں کہتے ہیں "ابن اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ آپ توما کے ساتھ ہندوستان میں، پطرس کے ساتھ روم میں۔ پولوس کے ساتھ الیریا میں، طیطس کے ساتھ کریت میں۔ اندریاس کے ساتھ اخیہ میں تھے اور ہر ایک واعظ کے ساتھ اُس علاقہ میں حاضر تھے جہاں وہ گیا" (Epist. 59, ad Marcellam)

ڈاکٹر منگانا کہتے ہیں "مشرقی کلیسیا میں ابتدا ہی سے یہ روایت چلی آئی ہے کہ مقدس توما نے ہندوستان میں انجیل کی بشارت دی۔ اور کوئی مؤرخ یا شاعر یا دعاؤں کی کتاب یا نماز کی کتاب یا کسی اور قسم کا مصنف ایسا نہیں گزرا جس نے مقدس توما کا ذکر کیا ہو اور آپ کے نام کے ساتھ ہی ہندوستان

---

1. T. K. Joseph, Young Men of India, for May 1926 p. 351 (note)

کا ذکر نہ کیا ہو۔ مقدس توما کے نام سے ہندوستان کا نام جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے توما اور ہندوستان دونوں مترادف الفاظ ہیں"۔ (ص ۱۵-۱۶)۔

پس جیسا ڈاکٹر فلیٹ (Fleet) کہتے ہیں دُور و دراز کے مقامات مُلک شام۔ کنعان، مصر اور ایشیائے کوچک سے اٹلی کی کلیسیائیں یعنے مشرق و مغرب کی قدیم کلیسیائیں ہم آواز ہو کر یہی کہتی ہیں کہ مقدس توما رسول نے ہندوستان میں انجیل جلیل کی بشارت دی۔

پس اس متفقہ شہادت کے ہوتے ہوئے ہم اس قدیم روایت کو سرسری طور پر زبردست دلائل کے بغیر رد نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہمارا یہ فرض ہے۔ کہ ہم علم تاریخ کے معیاروں کی محک پر اس روایت کو پرکھیں۔ اور قواعدِ تنقید کا اطلاق کر کے معلوم کریں کہ اس میں کہاں تک صداقت کے عناصر ہیں۔ اس سلسلہ میں ذیل کے سوالات تنقیح طلب ہیں جو ہمارے سامنے پیش آتے ہیں:۔

اوّل۔ کیا پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان اور اس کے مغرب کی جانب کے ممالک میں آمد و رفت کے وسائل اور ذرائع موجود تھے اور تجارت وغیرہ کے اسباب مہیا تھے؟

دوم۔ کیا ایسے محرکات اور مرغبات موجود تھے جو مقدس توما کو ہندوستان جیسے دُور و دراز مُلک میں کھینچ لانے میں کامیاب ثابت ہوئے؟

سوم۔ کیا مسیحی روایت کا "ہندوستان" وہی خطہ زمین ہے جس کو دَور حاضرہ میں ہندوستان کہا جاتا ہے؟ یہاں ہندوستان سے مُراد پاکستان اور ہندوستان دونوں ہیں

چہارم۔ کیا بادشاہ گُنڈا فورس کوئی تاریخی بادشاہ تھا۔ اور کیا وہ ہندوستان پر حکمران تھا؟ اس کا زمانۂ حکومت کیا تھا؟ کیا وہ مقدس توما کا ہم عصر تھا؟

پنجم۔ راجہ مزدیہ کون تھا؟ وہ کس ریاست کا بادشاہ تھا؟ کیا مقدس

توما شاہ گُنڈا فورس کی بادشاہت سے راجہ مزدیئے کی ریاست کو جا سکتے تھے؟

ششم۔ کیا مقدس توما فی الواقع شہید ہُوئے تھے؟ آپ کی جائے شہادت کہاں ہے؟

اس رسالہ میں ہم مذکورہ بالا سوالات پر بالتفصیل غور کریں گے۔

فصل اوّل

ہندوستان اور غیر ممالک میں آمد و رفت

اوّلاً ہم نے یہ امر طے کرنا ہے کہ آیا اب سے دو ہزار سال پہلے ہندوستان اور اُن ممالک میں جو اُس کے مغرب کی جانب واقع ہیں آمد و رفت کا سلسلہ موجود تھا یا نہیں۔ اگر اِن ممالک میں باہم آمد و رفت تھی تو اُس کے وسائل کیا تھے؟ ہندوستان سے بیرونی ممالک میں آنے جانے کے کیا راستے تھے؟ ان لوگوں کی آمد و رفت کی کیا غرض تھی؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اب سے دو ہزار سال پہلے ہندوستان اور اس کے مغرب کی جانب کے ممالک کے درمیان آمد و رفت نہیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی تو کلیسیائی روایت کے غلط اور بے بنیاد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا تو اس بات کا کم از کم امکان ہو سکتا ہے کہ مقدس توما رسول ہندوستان تشریف لائے ہوں۔

جہاں تک ہم کو علم ہے ہندوستان کے مغرب کی جانب کی اقوام میں سے قوم فنیکے کے لوگ ایسے تھے جو دنیا کے پہلے جہاز ران تھے۔ اس قوم کا ذکر کتب مقدسہ میں کئی جگہ آیا ہے (پیدا ۱۰: ۱۵ و ۱۸ و ۱۹۔ مرقس ۳: ۸۔ اعمال ۱۵: ۳ + ۲۱: ۲-۳ + ۲۷: ۳ وغیرہ) اس قوم کے لوگ خداوند مسیح سے دو یا اڑھائی ہزار سال پہلے بحیرۂ متوسط

میں جہاز رانی کیا کرتے تھے ۔ اس بحر کو عہدِ عتیق کی کتابوں میں "بڑا سمندر" یا "دریائے اعظم" (گنتی ۳۴: ۶) یا "بحرِ ترسیس" (اسلا ۱۰: ۲۲ وغیرہ) کہا گیا ہے لیکن اس قوم کے حوصلہ مند اور باہمت جہاز رانوں نے بحرِ متوسط کے ساحلوں پر ہی اکتفا نہ کی۔ بلکہ انہوں نے خلیج عرب کی چند بندرگاہوں پر قبضہ کر کے سمندر کی راہ سے تجارت کی غرض سے ہندوستان کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا۔ اور مدت مدید تک ہندوستان کی تجارت کے واحد ٹھیکہ دار بنے رہے ۔ کیونکہ مغرب کی دیگر اقوام اُن کے ذریعہ ہندوستان کی اشیاء خریدتی تھیں +

منجیٔ عالمین کی بعثت سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے سیوسٹرس (Seostris) شاہِ مصر چہار صد جہازوں کا بیڑا لے کر خلیج عرب پر چڑھ آیا اور اس نے تمام ساحل کے ممالک کو ہندوستان تک مسخر کر لیا۔ اس کی فوج اس کے زیرِ کمان ایشیا کے ممالک میں سے گذر کر دریائے گنگا کے کنارے تک فتح کرتی چلی گئی۔ لیکن جب یہ بادشاہ مر گیا تو ہندوستان کی تجارت دوبارہ اہل فنیکے کے ہاتھوں میں چلی گئی اور مغربی ممالک کے لئے اہل فنیکے کی بندرگاہ صور کا شہر ہندوستان کی تجارت کا بڑا اور زبردست مرکز بن گیا۔ اسی تجارت کی بطفیل صور کی قوم "تاجوں کی عنایت کرنے والی اور اس کے سوداگر اُمراء اور اس کے بیوپاری دُنیا بھر کے عزت دار لوگ" بن گئے (یسعیاہ ۲۳: ۸) یہاں تک کہ "اس کے دل میں گھمنڈ سمایا کہ میں الٰہ ہوں اور الٰہوں کے تخت پر سمندر کے درمیان بیٹھا ہوں (حزقی ۲۸ باب)

بنی اسرائیل قوم فنیکے کے ہمسایہ تھے اور صور کی پڑوس میں رہتے تھے۔ وہ ان کی خوشحالی کو دیکھ کر رشک کھاتے اور ان کی تجارت میں حصہ دار بننا چاہتے تھے پس داؤد اور سلیمان کے عہدِ سلطنت میں بنی اسرائیل نے ادوم کا کچھ حصہ فتح کر کے بحیرۂ قلزم (Red Sea) کی دو بندرگاہوں یعنی ایلوث اور

عصیون جبر پر قبضہ کر لیا۔ صور کے بادشاہ حیرام کی مدد سے بنی اسرائیل کا بیڑا فنیکے کے ملاحوں کے ساتھ ترسیس اور اوفیر سے تجارت کرتا تھا (۱ سلا ۹: ۲۶۔۲۸)۔ جہاں سے وہ "سونا اور چاندی اور ہاتھی دانت اور مور اور بندر لاتے تھے (۱ سلا ۹: ۲۸ و ۱۰: ۲۲)۔ ہم آگے چل کر دیکھینگے کہ "اوفیر" کی بندرگاہ ہندوستان کی ایک بندرگاہ تھی جو گوا کے قریب تھی۔ بہرحال ہندوستان کی تجارت کی طفیل "سلیمان بادشاہ دولت میں زمین کے سب بادشاہوں پر سبقت لے گیا"۔ ایسا کہ "سلیمان کے ایام میں چاندی کی کچھ قدر نہ تھی" (۱ سلا ۱۰: ۲۱۔۲۳)۔

خداوند مسیح سے ساتویں اور چھٹی صدی پہلے ہندوستان اور بابل کی تجارت ایسے وسیع پیمانہ پر جاری تھی کہ ملکِ بابل میں جنوبی ہندوستان کے باشندوں کی ایک باقاعدہ نوآبادی تھی۔ یونان کے لوگ ہندوستان سے چاول اور مرچ منگواتے تھے تامل زبان کی قدیم کتابیں جہازرانوں اور تجارت کے کاروباری معاملوں سے بھری پڑی ہیں۔ ہندوستان کا ذکر ایرانی سلطنت کے شہنشاہ دارا (از ۵۲۱ق۔م تا ۴۸۵ قبل مسیح) کے کتبوں میں پایا جاتا ہے۔

یکم مئی ۱۹۴۲ء کے اخبار ٹربیون (لاہور) میں یہ خبر شائع ہوئی تھی:۔

"ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کے مقام میں منکے پائے گئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکندر کی فتوحات سے بہت پہلے یورپ اور ایشیا میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ یہ منکے مسیح سے پانچ صدیاں پہلے ہندوستان میں یورپ کی بستیوں سے لائے گئے تھے مسٹر ایچ سی۔ بیک (Beck) نے جو منکوں کے ماہر ہیں ۹۵۰ چیدہ چیدہ منکوں کو پرکھا جو مسیح سے سات سو سال اور پانچ سو سال پہلے کے درمیانی عرصہ کے تھے۔ ان منکوں کو سر جان مارشل نے ٹیکسلا کی کھدائی میں پایا تھا۔ مسٹر بیک کو نصف درجن کے قریب ایسے پوت بھی

ٹیکسلا میں دستیاب ہوئے جو اس زمانہ سے بھی پہلے کی تہذیب کے ہیں۔ ٹیکسلا کے بھیر ٹیلہ پر سے بعض ایسے پوت ملے ہیں جن کا تعلق بحرِ متوسط کی قدیم تہذیب کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اسی قسم کے پوت کارتھیکا۔ سارڈینیا اور اٹلی کی قبروں میں پائے گئے ہیں۔ سرکپ کے مقام سے جو پوت دستیاب ہوئے ہیں وہ مسیح سے دو صدیاں پہلے کے ہیں۔ اور ٹیکسلا کے ساتھ روم کی سلطنت کا تعلق ثابت کرتے ہیں۔

پس آثارِ قدیمہ کی موجودہ انکشافات نے مندرجہ بالا بیان کی تصدیق کر دی ہے کہ مُلکِ ہندوستان اور بحرِ متوسط کی اقوام میں خداوند مسیح سے صدیوں پیشتر تجارتی تعلقات قائم تھے۔

مسیح سے ۳۲۶ سال پہلے سکندر اعظم نے یہ ٹھان لی کہ اہل فنیکے کی تجارت پہ قبضہ کر لے۔ پس اُس نے مصر پر فتح حاصل کر کے دریائے نیل کے دہانہ پر ایک شہر بسایا اور اُس بندرگاہ کو اپنا نام دیا۔ چند سالوں کے اندر اندر سکندریہ قدیم دُنیا کا زبردست تجارتی مرکز بن گیا اور مختلف انقلابات کے باوجود اٹھارہ صدیوں تک وہ ہندوستان کی تجارت کا ممتاز مرکز بنا رہا۔

جب سکندر نے ایرانیوں کے بادشاہ دارا پر فتح پائی تو وہ بحرِ کیسپین سے مشرق کی جانب بڑھا اور سمرقند تک جا پہنچا۔ ان ممالک میں سے گزرتے وقت اس نے ہر جگہ ہندوستان کی دولت کا حال سُنا جس سے وہ فنیکے کی تجارت کی وجہ سے پہلے سے ہی واقف تھا۔ پس وہ بکتریا سے چل پڑا۔ اور دشوار گذار پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا دریائے سندھ کو عبور کر کے دریائے جہلم کے کنارے تک جا پہنچا۔ جہاں اس نے راجہ پورس کو شکست دی۔ اس کے بعد وہ دریائے گنگا کی جانب بڑھنا چاہتا تھا کیونکہ اس کی بابت سیاحوں سے دلچسپ باتیں سُن چکا

تھا۔ لیکن جب وہ دریائے بیاس کے کنارے پہنچا تو اُس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ سفر کی صعوبتوں۔ جنگوں اور سیلابوں کی طغیانیوں نے اس کی فوج کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا تھا۔ پس سکندر نے لاچار ہو کر بادل ناخواستہ حکم دیا کہ فوج ایران کی جانب سے واپس جائے۔ جب واپسی پر جہلم پہنچا تو ایک زبردست بحری بیڑا تیار کھڑا تھا جو اس کے حکم کے مطابق بنایا گیا تھا۔ تجارتی اغراض کو مدِ نظر رکھ کر وہ اس بیڑے کے ذریعہ سندھ کے دہانے سے سمندر کی راہ خلیج فارس کو جانا چاہتا تھا۔ جہلم سے سمندر کا سفر پانی کے راستے ایک ہزار میل سے کم نہ تھا۔ جب بیڑا سندھ کے دہانہ پر پہنچا تو سکندر خود خشکی کی راہ سے ایران چلا گیا اور اس کا بیڑا سات ماہ کے بحری سفر کے بعد خلیج فارس سے دریائے فرات کے راستہ پہنچ گیا۔ سکندر کی یہ تجویز تھی کہ ہندوستان کی اشیاء دریائے سندھ کی راہ سے خلیج فارس کے راستے اُس کے ایشیائی مقبوضات میں جا سکیں۔ اور خلیج عرب کی راہ سے وہ اس کے شہر سکندریہ میں پہنچ سکیں اور وہاں سے تمام مغربی ممالک میں فروخت ہوا کریں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہندوستان اور اس کے مغرب کی جانب کے ممالک میں بحری اور بری دونوں راستے کھول دیئے۔

لیکن سکندر اپنی اُمنگوں کو پورا نہ کر سکا۔ ہندوستان سے واپس جانے کے چند ماہ بعد وہ شراب کو بکثرت پینے کی وجہ سے موت کا شکار ہو گیا۔ ۳۲۳ سنہ قبل مسیح میں اس کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مصر کا مُلک ٹولومی (Ptolomy) کے حصہ میں آیا۔ اور ایشیا کا شمالی حصہ سلوکس شاہ شام (Syria) کے ہاتھ آیا۔ ان دونوں نامور جانشینوں نے سکندر کے تجارتی مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ سلوکس نے اپنا یونانی سفیر میگستھینیز (Megasthenes) کو جو سکندر کی فوج میں افسر رہ چکا تھا

ہندوستان بھیجا۔ غالباً یہ پہلا یورپین شخص تھا جس نے دریائے گنگا کو دیکھا۔ اس کی تحریروں نے مغربی اقوام کو ہندوستان کے اندرونی حصوں سے روشناس کرادیا۔ بعد ازاں شاہانِ بکتریا دریائے سندھ کے دہانہ کی سرزمین پر حکمران رہے لیکن ۱۲۶ قبل مسیح میں تاتاری خانہ بدوشوں نے چین کی سرحدوں سے نکل کر بکتریا پر قبضہ کر لیا اور یونانی تسلّط کا خاتمہ کر دیا۔

شاہ مصر ٹولومی سکندریہ کا محرم راز مشیر رہ چکا تھا اور اس کی تجارتی تجاویز سے بخوبی واقف تھا۔ اُس نے سکندریہ کو اپنا پایہ تخت بنا کر مصر کو ہندوستان کی اشیاء مثلاً ململ۔ آبنوس۔ دارچینی وغیرہ کی تجارت کا ایک پائدار مرکز بنا دیا۔ اس نے کُل اقوام کے تاجروں کو سہولتیں عطا کر دیں جن کی بدولت غیر ممالک کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد سکندریہ میں بُود و باش کرنے لگ گئی۔ اور وہ مشرق و مغرب کے ممالک کے لئے دُنیا کی منڈی بن گیا۔ جب ٹولومی مرگیا تو اُس کا بیٹا اس کے تجارتی منصوبوں پر عمل کرتا رہا۔ جب اس کے عہد میں صور اور ہندوستان کے مابین تجارت فروغ پا گئی تو اس کو روکنے کے لئے اس نے بحرِ قلزم کے ساحل پر ایک شہر بیرنیس (Berenice) (جو موجودہ سواکن کے قریب تھا) بسایا۔ تاکہ ہندوستان کی اشیاء اس شہر کے ذریعہ رودِ نیل میں سے ہو کر سکندریہ پہنچ جائیں۔ یہ راہ اڑھائی سو سال تک (جب تک مصر آزاد رہا) تجارتی اغراض کو پُورا کرتی رہی۔ اور یُوں مشرق و مغرب کی آمد و رفت کے وسائل زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ اور مصر کے ٹولومی خاندان کے بادشاہوں کے زمانہ میں مصر کے جہاز مالابار ساحل کے شمال تک آتے رہے۔

اسی زمانہ میں ایران کے سوداگر بھی ہندوستان کی قیمتی اشیاء کی تجارت کیا کرتے تھے۔ چونکہ مصری بحری راستہ کے واحد ٹھیکہ دار تھے اور یہ راستہ

ایرانیوں پر منحصر/متشدد تھا۔ لہٰذا انہوں نے برّی راستہ اختیار کیا۔ اور دریائے سندھ کے کنارے سے دریائے اوکسس (Oxus) اور بحر کیسپین کے کنارے تک ہندوستان کی اشیاء کو اونٹوں پر لاد کر لے جاتے تھے اور وہاں سے کشتیوں اور نہروں کے ذریعہ یا خشکی کے ذریعہ ایرانی سلطنت کے تمام حصوں میں لے جاکر فروخت کیا کرتے تھے۔

جب تک ایران اور مصر کی سلطنتیں برسرِ اقتدار رہیں وہ مندرجہ بالا بحری اور برّی آمدورفت کے وسائل اور ذرائع استعمال کرتی رہیں۔ لیکن اب وہ وقت آگیا جب قیاصرۂ روم کا پرچم ہر جگہ لہرائے۔ رومی فوج ظفر موج نے سِسلی۔ کاربیج۔ یونان اور شام کو اپنے زیرنگین کر لیا۔ منجیٔ عالمین کی پیدائش سے تیس سال پہلے سکندریہ فتح ہوگیا اور مصر ایک رومی صوبہ بن گیا۔ اس کے تین سال بعد اوکٹیویس کو ”اگسطس قیصر“ کا خطاب ملا اور وہ پہلا رومی شہنشاہ ہوا۔ جس سال خداوند مسیح صلح کا شاہزادہ پیدا ہوا اُس سال اِس قیصر نے جنگ کے دیوتا جینس کا مندر بند کر دیا۔ کیونکہ مہذب دنیا کے ہر گوشے میں صلح قائم ہو گئی تھی۔ جب رومی سلطنت قائم اور استوار ہو گئی تو عیش و عشرت کے سامان حد سے زیادہ بڑھ گئے۔ رومی سلطنت کے دولتمند اشخاص ہندوستان کے موتیوں، ریشم کے کپڑوں اور مصالحہ دار کھانوں کے نہایت شوقین تھے۔ ہر طرف سے سامان عشرت کی بڑی مانگ تھی۔ ان کے عوض جنوبی ہند کو روم کا سونا ملتا تھا۔ ایشیائی یونانی مؤرخ سٹرابو (Strabo) کہتا ہے۔ کہ قیصر اگسطس کے عہد سلطنت (از ۲۷ سنہ ق۔م تا ۱۴ سنہ ء) میں رومی سلطنت کی تجارت ہندوستان کے ساتھ روز افزوں تھی۔ دونوں ممالک میں آمدورفت کا یہ حال تھا کہ ایلڈر پلینی (تاریخ وفات ۷۹ سنہ ء) (Elder Pliny)

اپنی نیچرل ہسٹری میں نہ صرف ہندوستان کے جغرافیہ کی نسبت قابل قدر باتیں لکھتا ہے۔ بلکہ ہندوستان کے حیوانوں۔ پودوں۔ دوائیوں اور جڑی بوٹیوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ جنوبی ہند کی خاص اشیاء جو پہلی صدی مسیحی میں غیر ممالک کو جاتی تھیں حسب ذیل تھیں۔ موتی۔ مرچ۔ ریشم۔ قیمتی شفاف پتھر، ہیرے لعل وغیرہ۔ حال ہی میں ریاست کولہاپور سے رومی سکے اور کھلونے ملے ہیں۔ (دیر بھارت۔ ۳۔ جنوری ۱۹۴۵ء) رومی سلطنت کے اسباب عیش اس قدر بڑھ گئے تھے کہ پلنی اس بات کا شاکی ہے کہ رومی سونے کے عوض ہندوستان سے عیش وعشرت کی ایسی اشیاء آتی ہیں جو فضول ہیں اور بیکار لاحاصل ہونے کی وجہ سے بار آور نہیں ہو سکتیں۔ ان ایام میں جنوبی ہند سوتی مال کے لئے شہرۂ آفاق تھا۔ رومی سلطنت کے باشندے اس مال کے تار و پود اور ساخت کے دلدادہ تھے۔ اور اس کو بڑی مقدار میں خریدتے تھے۔ کپڑا بُننے کی صنعت میں جنوبی ہند کے لوگ یگانۂ روزگار تھے۔ چنانچہ تامل کتابوں میں ۳۶ مختلف قسم کے کپڑوں کا ذکر آیا ہے۔ جو بیرونِ ہند روانہ کئے جاتے تھے۔ انجیل جلیل میں وارد ہوا ہے کہ خداوند مسیح کی مبارک لاش "مہین چادر" میں لپیٹی گئی تھی یونانی متن میں جو لفظ "سنڈون" استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب "ہندوستانی ململ"[1] ہے (متی ۲۷: ۵۹) پس ہندوستانی تجارت کی وجہ سے ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ منجی عالمین کی مبارک لاش ہمارے دیش کے کپڑے میں کفنائی گئی۔ غرضیکہ ہندوستان کا مال بیرونی ممالک میں اس وسیع پیمانہ پر جانے لگا کہ

1. Liddell & Scott, Greek Lexicon large edition. 1882.

ان اشیاء کو مہیا کرنے کے لئے بحری اور برّی دونوں راستے ناکافی ثابت ہوئے پس مشرق کی اشیاء کی درآمد کے لئے ایک تیسری راہ نکالی گئی جو مسوپوٹامیہ اور دریائے فرات کے کنارے کے صوبوں کو کنعان اور شام کے اُن حصّوں کے ساتھ ملحق کرتی تھی جو بحرِ متوسط کے ساحل کے نزدیک تھے۔ یہ راہ وہی تھی جو ابراہام نے دو ہزار سال پیشتر کسدیوں کے اُور سے کنعان جانے کے لئے اختیار کی تھی (پیدا ۱۱:۳۱)۔ قیصر اگسطس کے زمانہ میں رومی تجارت افریقہ اور عرب اور بالخصوص ہندوستان اور چین کے ساتھ فروغ پا گئی۔ یہاں تک کہ ہر سال ۱۲۰ جہاز مصر سے ہندوستان کی جانب روانہ ہوتے تھے۔

۴۵ء سن عیسوی تک مغربی ممالک کے تاجر ہندوستان کی اشیاء کو حاصل کرنے کے لئے مندرجہ بالا تینوں راستے استعمال کرتے رہے جو نہایت لمبے تھے لیکن اس سال مصری جہاز کے یونانی کمانڈر ہپلس (Hippalus) نے موسمی ہواؤں کی حقیقت پر غور کیا جو بحرِ ہند میں موسم گرما میں جنوب مغرب اور موسم سرما میں شمال مشرق سے چلتی ہیں۔ پس اُس نے تینوں دُور دراز کے رستوں کو چھوڑ کر دلیری کر کے خلیج عرب سے سیدھا بحرِ ہند کو عبور کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ اور وہ جنوب مغرب کی موسمی ہواؤں کی مدد سے چالیس دنوں کے اندر ہندوستان کے مغربی ساحل کی بندرگاہ موزیرس (Muziris) میں داخل ہو گیا جو گوا اور ٹیلی چری کے درمیان واقع تھی لیکن چونکہ یہ بندرگاہ تنگ تھی اس کی بجائے سورت سے چند میل شمال کی جانب دریائے نربدا کے دہانہ پر براؤچ کی بندرگاہ قائم ہو گئی۔ یہ چوتھی راہ مختصر ہونے کے علاوہ دیگر تینوں راستوں سے بدرجہا بہتر تھی۔ پس اگلی چودہ صدیوں تک یہی راہ مشرق و مغرب کے لوگوں کی آمد و رفت کا وسیلہ بنی رہی۔

لیپزگ یونیورسٹی کے صیغۂ مذاہب کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۲۲ء میں چین۔ ہندوستان اور روم کی اُن تجارتی راہوں کا ایک نقشہ درج ہے جو پہلی صدی مسیحی میں استعمال کی جاتی تھیں۔ اس نقشہ پر سطحی نظر ڈالنے سے انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں دنیا میں آمد و رفت کے وسائل کیسے وسیع پیمانہ پر تھے اور تجارت کس اعلیٰ حالت پر تھی۔ اس کو دیکھ کر انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کیونکہ تاجروں کی آمد و رفت کا جال یورپ اور ایشیا کے درمیان اور بالخصوص مصر۔ ایشیائے کوچک۔ سگدینہ۔ بکتریا۔ گندھرا۔ اور مالابار کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے علاوہ ازیں یہ نقشہ ظاہر کر دیتا ہے کہ اُس زمانہ میں تجاورت کے لئے دریائے سندھ کی وادی نہایت اہم شمار ہوتی تھی +

اس فصل میں ہم نے تفصیل سے کام لے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ خداوند مسیح کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ہندوستان اور اس کے مغرب کی جانب کے ممالک میں آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ اور جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا ہندوستان میں آنے کے راستوں کا شمار زیادہ ہوتا گیا اور تجارتی تعلقات بھی زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ بالخصوص پہلی صدی عیسوی میں ۴۵ء کے قریب جب جہازرانوں نے موسمی ہواؤں سے فائدہ اُٹھایا تو ہندوستان اور مصر کے درمیان آمد و رفت ایک عام بات ہو گئی۔ پس یہ ظاہر ہے کہ اگر مقدس توما رسول اُس زمانہ میں انجیل جلیل کی بشارت دینے کے لئے ہندوستان تشریف لانے کا خیال کرتے تو اُن کو کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی۔ اس کے برعکس حالات ہر طرح سے موافق تھے کہ ہمارا وطن عزیز منجئ عالمین کے پیغام سے محروم نہ رہ جائے +

فصل دوم

بادشاہ گونڈوفرس شہنشاہِ اعظم

"مقدس توما رسول کے اعمال" میں بادشاہ گنڈافورس اور اس کے بھائی جاد کا ذکر آتا ہے۔ لیکن گذشتہ صدی کے اوائل تک ہندوستان کی تاریخ میں "گنڈافورس بادشاہ ہندوستان" کا ذکر تک نہیں تھا۔ ہندوستان کے مورخین اس کے نام تک سے ناواقف تھے پس ہر ایک مؤرخ کا یہی خیال تھا کہ گنڈافورس بادشاہ اس کتاب کے مصنف کی قوتِ متخیلہ کا نتیجہ ہے اور وہ کوئی تاریخی ہستی نہیں ہے۔ چونکہ اس کا ذکر کہیں پایا نہیں جاتا لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ لیکن یہ فراموش کر دیا گیا کہ علمِ منطق کی رُو سے کسی شخص یا شے کا ذکر نہ ہونا اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر سکندر کی فتوحات اور ان کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہندوستانی مصنفوں کی تصنیفات میں سکندرِ اعظم کے حملے کا ذکر یا اشارہ تک نہیں ملتا۔[1] حالانکہ اس کی فتوحات نے نہ صرف شمالی ہندوستان بلکہ تمام دُنیا کی کایا پلٹ دی تھی لیکن اس بات سے کوئی صحیح العقل شخص یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ سکندر یا اس کی فتوحات کا وجود ہی نہیں تھا۔

آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے دریائے سندھ کے مشرق و مغرب کی جانب

1. Ishwar Das & Khanna, History of India P. 52.

کے مقامات کو پچھلی صدی کے درمیان میں کھودنا شروع کیا۔ کھدائی کے دوران میں بے شمار سکّے ہزاروں کی تعداد میں دستیاب ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۳۴ء سے لے کر بیسویں صدی کے شروع تک بگرام سے (جو کابل کے پاس ہے) قندھار سے مشرقی ایران۔ سیستان اور سندھ سے مغربی اور جنوبی پنجاب سے پٹھانکوٹ سے (جو امرتسر سے قریباً ساٹھ میل شمال مشرق کی جانب واقع ہے) بے شمار سکّے ملے۔ ان سکّوں کی ایک طرف یونانی حروف میں "گونڈوفروس" ہے اور دوسری طرف پالی حروف میں "گُدُفرس" نام لکھا ہے۔ چونکہ یہ سکّے کابل۔ قندھار۔ سیستان اور مغربی اور جنوبی پنجاب میں دستیاب ہوئے ہیں یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ گونڈوفراس کے مقبوضات میں یہ مقامات شامل تھے۔ یہ بادشاہ پہلوی خاندان کا تھا اور قدیم ایرانی یا پہلوی زبان میں اس کا نام "وندافرن"[1] یعنی جلال کو جیتنے والا ہے۔ یہ سکّے تانبے اور چاندی کے ہیں۔ اور شمار میں ہزاروں ہیں۔

---

a. Parthian form is Vindapharna (Winner of Glory). (b) Syriac forms are Gudnaphar, Gundaphar, Gundafor. (c) Greek forms are (in the Acts) Goundaphoros, Gontaphoros & Goundiaphoros. (d) Greek forms on the coins are Gondophares, Gondapharres, and Undophares. (e) Latin forms are Gundaforus & Gundoforus. (f). Pali & Takht Bai inscription forms are Gudaphara, Godaphara, Gudaphan & Gudupharna.

جس سے ظاہر ہے کہ اس کا زمانۂ حکومت بھی طویل تھا۔ بعض سکوں پر بادشاہ کے بھائی اُجودا یا جوداپایاہ کا بھی نام ہے۔ بعض سکوں پر بادشاہ کا نام "گونڈوفرِس شہنشاہِ اعظم" بھی لکھا ہے۔ اور بعض پر "رہائی بخشنے والا بادشاہ" لکھا ہے۔

لیکن ہندوستان کے مؤرخوں کے سامنے یہ دِقت پیش آئی کہ ان سکوں پر تاریخ نہیں لکھی تھی۔ پس وہ اس بادشاہ کے زمانۂ حکومت کا تعیّن نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن تخت بائی سے ایک کتبہ حاصل ہوا جس نے یہ مشکل بھی رفع کر دی۔ تخت بائی ایک پہاڑی ہے جو پشاور سے ۸۰ میل شمال مشرق کی جانب واقع ہے یہاں قدیم زمانہ میں بدھ مت کا ایک شہر تھا۔ اس مقام سے ۱۸۵۷ء میں محکمۂ آثار قدیمہ کو ایک کتبہ ملا جو اب لاہور کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ بد قسمتی سے یہ پتھر مصالحہ رگڑنے کے لئے بطور ایک سِل کے سالہا سال تک استعمال ہوتا رہا جس کی وجہ سے اس پتھر کے کتبہ کا درمیانی حصہ اچھی طرح نظر نہیں آتا اور بعض سطریں بالکل محو ہو چکی ہیں۔ یہ کتبہ ۱۷ × ۱۴½ انچ ہے اور چھ سطروں پر مشتمل ہے اور ایک ستوپ کے بنانے کی یادگار ہے۔ جو بدھ مت کے کسی دیندار پیرو نے "اپنے اور اپنے ماں باپ کو ثواب پہنچانے کی خاطر" بنایا تھا۔ اس کی پہلی دو سطروں میں ذیل کے الفاظ کندہ ہیں[1]:-

"بادشاہ گونڈوفرس اعظم کے عہدِ حکومت کے چھبیسویں سال میں اور سمت ۱۰۳ کے بساکھ کے مہینے کے پانچویں روز"۔ اگر یہ سمت بکرماجیت کا ہے تو یہ کتبہ (۱۰۳-۵۷=۴۶) ۴۶ء عیسوی میں کندہ کیا گیا۔ جس کا

---

1. The Cambridge Shorter History of India by J. Allen p. 71.

مطلب یہ ہے کہ شاہ گونڈو فرس ۲۰ء عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ انہی اطراف میں حال ہی میں اسی زمانہ کا ایک اور کتبہ دستیاب ہوا ہے۔ جس میں نام "جادس" یا جاد لکھا ہے[1]۔ اب مؤرخوں نے آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کی روشنی میں ہندوستان کی تاریخ کو از سرِ نو ترتیب دی ہے۔ وہ ہم کو بتلاتے ہیں کہ جب سکندر اعظم مر گیا اور اس کے جانشینوں میں سے کوئی دریائے سندھ کے گردونواح کے ممالک پر قبضہ قائم نہ رکھ سکا تو موریا خاندان نے دریا کے مشرق و مغرب کی جانب کے ممالک پر اپنا تسلط جما لیا۔ لیکن دو سو سال قبل مسیح موریا سلطنت کو زوال آ گیا اور بکتریا کے یونانی (جن کو سکندر نے فتح کر کے آباد کیا تھا) کوہِ ہندوکش پر چڑھ آئے۔ انہوں نے وادیٔ کابل پر قبضہ کر کے دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب کو فتح کر لیا۔ اور ایک صدی تک حکمران رہے۔

جب پارتھی سلطنت کا زبردست بادشاہ متھرا ڈیٹیز دوم ۸۸ء قبل مسیح مر گیا تو سیستان۔ قندھار۔ اور مشرقی مقبوضات خود مختار ہو گئے ان ممالک کی پارتھی اور سکدی (Scythian) افواج نے ۷۵ء قبل مسیح میں قندھار سے چڑھائی کر دی اور درۂ بولان سے گذر کر دریائے سندھ تک آئے اور تمام وادی اور ڈیلٹا یعنی دریا کے دہانے کی مثلث نما زمین پر قابض ہو گئے۔ اور پھر بکتریا کے یونانیوں کو شکست دے کر شمالی افغانستان اور پنجاب پر بھی حکمران ہو گئے۔ شاہ گونڈو فرس اعظم اس سکدی پارتھی سلطنت کا تیسرا بادشاہ تھا جو ۲۰ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت مشرقی ایران

---

1. Zaleski, The Saints of India p. 124.

افغانستان، شمال مغربی ہندوستان اور پنجاب پر مشتمل تھی۔

بشپ میڈلی کاٹ کا خیال ہے کہ یہ بادشاہ غالباً ۵۰ء کے قریب مر گیا۔ سر جان مارشل کا بھی یہی خیال ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "کشان بادشاہ کجول کدفیسیس (Kujula Kadphises) جس کو کیو سیو کیاؤ (K'iu - tsiu - K'io) بھی کہتے ہیں۔ غالباً خداوند مسیح کی پیدائش کے سال میں پیدا ہوا۔ اس کے سکے اڑھائی ہزار کے قریب سرکپ (ٹیکسلا) میں دستیاب ہوئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے ٹیکسلا کو فتح کر لیا تھا۔ اس نے ۵۰ء کے قریب وادئ کابل سے پارتھیوں کو نکال دیا اور اپنے بیٹے ویما (Wima) کو پنجاب اور سندھ کو فتح کرنے کی غرض سے یہیں چھوڑ کر خود اپنے ملک کو واپس چلا گیا"[1] اُس کے بیٹے نے غالباً ۶۰ء تک اس پہلوی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

خاندانِ کُشان نے اس سلطنت کو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ یہ بالکل نابود ہو گئی۔ حتٰی کہ اس کا نام و نشان ہندوستان، یونان اور ایران کی تاریخ کے صفحوں سے مِٹ گیا اور اٹھارہ صدیوں تک سوائے مقدس توما کے اعمال کی کتاب کے بادشاہ گونڈو فرس اعظم کا نام کہیں محفوظ نہ رہا۔ پچھلی صدی میں ہندوستان کے آثارِ قدیمہ کے محکمہ نے اعجازی طور پر اس سلطنت کو جو قریباً دو ہزار سال سے

---

1. Sir J. Marshall, art. Greeks & Sakas in India, Journal of Royal Asiatic Society, Parts I & II, 1947.

زیر زمین مدفون تھی دوبارہ زندگی دے کر اُس کو تاریخ کے صفحوں میں بحال کر دیا اور ثابت کر دیا کہ بادشاہ گونڈو فرس "مقدس توما کے اعمال" کی کتاب کے مصنف کی قوتِ واہمہ کی پیدائش نہ تھا بلکہ ایک تواریخی ہستی اور نہایت عظیم الشان بادشاہ تھا جو سیستان، قندھار، افغانستان اور پنجاب پر حکمرانی کرتا رہا تھا۔

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول میں لکھا ہے[1] "اس میں رتی بھر شک نہیں کہ مسیحی روائیت کا بادشاہ گنڈافورس جس کو شاہِ ہندوستان کہا گیا ہے وہی بادشاہ ہے جس کا نام "گونڈوفرس" ہے۔ اور "بادشاہ کا بھائی جاد" وہی شخص ہے جس کا نام سکوں پر جودا یا جودایاہ ہے۔ مقدس توما کی روایت ایک تاریخی سلسلہ کی ترتیب میں منسلک ہو کر نظر آنے لگ گئی ہے، اور جہاں تک وقت اور زمانہ کی ترتیب کا تعلق ہے اس کے صحیح ہونے کا امکان ہے"۔

پروفیسر سٹین کوناؤ (Sten Konow) کہتے ہیں[2] "اس میں ذرا شک نہیں کہ بادشاہ گنڈافورس وہی شخص ہے جو شمال مغربی ہندوستان کا بادشاہ تھا اور ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اس بادشاہ کا مسیحی دنیا کو قدیم زمانہ میں علم تھا"۔

---

1. The Cambridge History of India Vol. 1. Ancient India ed. E. J. Rapson M.A.
2. Corpus Inscriptionum Indicarum. Vol. II, Part I. Kharoshthi Inscriptions ed. by Sten Konow. Govt. of India Central Publication branch, Calcutta 1929.

پروفیسر شاہ لکھتے ہیں :-

"بعض علماء کا خیال ہے کہ بادشاہ گونڈو فرنس نے جو پہلوی (زرتشتی) مذہب کا مقلد تھا اپنی زندگی کے آخری سالوں میں مسیحیت کو اختیار کر لیا تھا۔ دیگر علما کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ خود مرید نہیں ہؤا تھا تاہم وہ مسیحیت کو رواداری، عزت اور ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ انہی ایام کے قریب مسیحیت وجود میں آئی تھی اور اپنے اندر تازگی رکھتی تھی جو لوگوں کو متأثر کرتی تھی۔ اس مذہب کے مبلغ مقدس توما کی جاذب شخصیت نے اس کو نئے دین کی جانب راغب کیا تھا"[1] یہی مصنف اپنی کتاب کی جلد سوم کے صفحہ ۲۶۳ کے حاشیہ پر موجمدار کی کتاب[2] کا یہ اقتباس دیتا ہے "ایک تازہ دستیاب شدہ کتبہ ظاہر کرتا ہے کہ مقدس توما نے گونڈوفرس کو ۲۱ء میں مسیحی کیا تھا۔"

تادم تحریر ہم کو اس کتبہ کا پتہ نہیں لگ سکا۔ پروفیسر موجمدار کی یہ تاریخ (۲۱ء) بھی قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ ۲۱ء میں منجئی عالمین مصلوب بھی نہیں ہوئے تھے۔ بہرحال تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بادشاہ گونڈوفرس مقدس توما رسول کا ہم عصر تھا اور وہ ملک پنجاب اور صوبہ سرحد پر حکمران تھا۔ اور اگر منجئی جہاں کے رسول کا تبلیغی جوش اس کو ہندوستان کی جانب کھینچ لایا تو وہ ملک پنجاب میں اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں آئے تھے۔ تاکہ پنجاب کے باشندے انجیل جلیل کے جانفزا پیغام سے بہرہ ور ہوں۔

1. Ancient India Vol. iii (T. L. Shah).
2. Hindu History by A. K. Mujamdar, Calcutta 1920. p. 647.

باب سوم

سرزمینِ پنجاب میں مقدس توما کا ورودِ مسعود

سکندریہ اور ہندوستان

گذشتہ باب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ سکندر اعظم نے دریائے نیل کے دہانہ پر شہر بسا کر اس کو اپنا نام دیا۔ ابتدا ہی سے سکندریہ تمام مہذب دنیا کا ایک زبردست تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ سکندر کے جانشینوں کی تجارتی تجاویز نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور اس شہر نے تجارت کے باعث دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی حاصل کر لی۔ دُنیا کی کُل اقوام کے تاجروں کو ہر طرح کی سہولتیں مہیّا تھیں۔ پس چین۔ ہندوستان۔ افریقہ۔ یونان۔ عرب اور کنعان وغیرہ ممالک کے لوگ اس میں بود و باش کرنے لگ گئے اور شہر سکندریہ دُنیا بھر کی مہذب اقوام کا گھر بن گیا۔ یہ تمام اقوام اپنے اپنے مذاہب کو اپنے ہمراہ لے آئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکندریہ میں تمام دُنیا کے مذاہب اور فلسفہ کے علم پائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر اہلِ یہود سکندریہ کی کُل آبادی میں چالیس فیصدی تھے۔ عبرانی عہدِ عتیق کی کتب کا مشہور یونانی ترجمہ سبعینیہ (سیپٹواجینٹ ۲۸۰ء قبل از مسیح (جب راجہ اشوک ہندوستان میں حکمران تھا) اسی شہر سکندریہ میں کیا گیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ سکندریہ کے یہودی صرف تجارت سے ہی واسطہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے مذہب کے پابند اور دینی امور میں بھی جوشیلے اور غیرت مند تھے۔ اہلِ یہود کے بہترین علماء اور فضلاء اس شہر میں بود و باش کرتے تھے۔

اہلِ یہود کے علاوہ مصری۔ یونانی۔ حبشی۔ افریقی۔ عربی۔ چینی۔ پارتھی۔ ہندوستانی اور بحرِ متوسط کے ارد گرد کی اقوام کے لوگ بھی سکندریہ میں مستقل یا

عارضی رہائش رکھتے تھے۔ اور وہ تجارت کے ساتھ اپنے مذاہب بھی سکندریہ میں لے آئے۔ بالخصوص ہندوستان کے ساتھ سکندریہ کی تجارت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ہر سال ایک سو بیس جہاز پہلی صدی عیسوی میں مصر سے ہندوستان چلا کرتے تھے۔ ہندوستان کے تاجر اپنے مذہب کی رسوم اور پوجا پاٹھ کو ادا کرتے تھے۔ بادشاہ اشوک (سن ۲۷۲ تا ۲۳۲ قبل مسیح) نے بدھ مت کی تعلیم کی اپنی سلطنت کے اندر اور باہر اشاعت کی۔ اس نے لنکا، مصر، سائرین (Cyrene) مقدونیہ میں یعنی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے براعظموں میں بدھ مت کے پرچارک بھیجے تھے۔ اور اس کو ایک عالمگیر مذہب بنانے کی کوشش کی تھی[1]۔ پس پہلی صدی عیسوی میں نہ صرف ہندو مت کے پیرو بلکہ بدھ مت کے پیرو اور پرچارک بھی سکندریہ میں بود و باش رکھتے تھے۔

اخبار انڈین ریویو بابت ماہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں اخبار امرت بازار پتر کا بابت ۲۲۔ نومبر ۱۹۳۶ء کے حوالے سے بتلایا گیا ہے کہ ارسطو کے شاگرد ایرس ٹو گسے نس (Aristoxenus) (۳۳۰ قبل از مسیح) نے کہا کہ ایک ہندوستانی نے ایتھنز میں سقراط سے فلسفیانہ مضامین پر بحث کی تھی۔ اگر یہ درست ہے تو ظاہر ہے کہ ہندو مذہب اور فلسفہ کے عالم چوتھی صدی قبل از مسیح یونان میں تھے پس کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ وہ پہلی صدی عیسوی میں سکندریہ جیسے شہر میں نہ ہوں جو اس زمانہ میں نہ صرف اقوام عالم کی تجارت کا مرکز تھا بلکہ علم و فضل کے لحاظ سے بھی یگانۂ روزگار تھا۔

1. St. Thomas of India, article by Kalipada Mukerji in the Indian Review Dec. 1943.

پس قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا منجیٔ عالمین کے رسولوں نے اپنی تبلیغی مساعی سے ایسے عظیم الشان شہر کو محروم رکھا ہوگا جو تمام دنیا کی قوموں اور مذہبوں کا گھر تھا؟ اُن کے مالک اور آقا نے ان کو الوداعی حکم دیا تھا کہ وہ یروشلیم سے شروع کر کے تمام قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی" کریں (لوقا ۲۴:۴۷) رسولوں کے اعمال سے ظاہر ہے کہ انہوں نے یروشلیم سے منادی کا کام شروع کیا اور اہل یہود کو توبہ کی دعوت دی۔ بعد ازاں مقدس پولوس اور ان کے ساتھیوں نے بحر متوسط کے شمالی ساحلوں کے ممالک کی یہودی اور غیر یہودی اقوام میں منجیٔ جہان کی نجات کا پیغام سنایا۔ پس دیگر رسولوں نے بحر متوسط کے اردگرد کی دیگر اقوام میں تبلیغی کام شروع کیا ہوگا۔ کیونکہ ہر رسول کی یہی خواہش تھی کہ ایسے ملک میں انجیل جلیل کی اشاعت کرے جہاں کسی دوسرے شخص نے منادی نہیں کی (رومیوں ۱۵: ۲۰)

پس مقدس توما اور دیگر رسول سکندریہ کے شہر میں ضرور آئے ہونگے۔ کیونکہ وہ اس زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ اور سلطنت روم کا دوسرا شہر تھا۔ چونکہ وہاں ہر شخص یونانی زبان سے واقف تھا لہذا مقدس توما اور اُن کے ساتھی ہر ملک۔ قوم اور مذہب کے اشخاص کو انجیل جلیل کی دعوت دے سکتے تھے۔ انجیل شریف میں مرقوم ہے کہ جب مقدس پولوس رسول اتھینی میں گئے تو "وہ شہر کو بتوں سے بھرا ہوا دیکھ کر اس کا جی جل گیا۔ اس لئے عبادت خانہ میں یہودیوں اور خدا پرستوں سے اور جو لوگ چوک میں ملتے تھے ان سے روز بحث کیا کرتا تھا" (اعمال ۱۷: ۱۶) پس ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ مقدس توما جیسے جوشیلے رسول (یوحنا ۱۱: ۱۶) اور غیرت مند مبلغ اور فلسفیانہ مزاج شخص کے دل پر کیا گذری ہوگی جب انہوں نے سکندریہ میں مختلف اقوام کے معبودوں اور بتوں کی پرستش اور ہندو مت کی دیوتا پرستی بدھ مت کے الحاد اور چین کے کنفیوشس کے عقاید کو دیکھا اور سنا

ہوگا۔ وہ اہل یہود کے عبادت خانوں میں خدا کی لازوال محبت کا پیغام سُناتے ہوں گے۔ اور یسوع کی رُوح اُن کو بت پرستوں چینیوں۔ ہندوؤں اور ملحد بدھ مت کے پیروؤں کے پاس بھی لے جاتی ہوگی تاکہ ان کو اُس مکاشفہ کی خبر دیں جو خدائے واحد نے اپنے ابن وحید کے ذریعہ بنی نوع انسان پر ظاہر کیا ہے

مقدّس توما اور حبّان سوداگر

مقدّس توما رسول کے اعمال" کی کتاب میں ہے کہ بادشاہ گنڈافورس کا ایک سوداگر تھا جس کا نام "حبّان" تھا۔ یہ نام ایرانی نہیں ہے بلکہ سامی زبان کا ہے پس اگر وہ تواریخی شخص تھا تو وہ بادشاہ گنڈوفرس کا یہودی سوداگر تھا بالفاظ دیگر۔ وہ بادشاہ کا وزیر تجارت تھا۔ اُن دنوں میں بادشاہوں کا تجارت کے کام میں حصہ لینا عار کا باعث نہیں سمجھا جاتا تھا کیونکہ گونڈوفرس سے صدیوں پہلے ہندوستان کے بادشاہ تجارت کیا کرتے تھے اور کارخانوں جیل خانوں۔ زمینوں۔ جنگلوں اور کانوں سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ اُس کے واحد مالک ہوتے تھے[1]۔ ان تجارتی ایجنٹ ہوتے تھے جن کو "راج دی دیہک" کہتے تھے۔ اُس زمانہ میں اس علاقہ کی دولت جس پر گونڈوفرس حکمران تھا بے قیاس تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے سکندر نے اس کو فتح کیا تھا۔ پھر خاندانِ موریہ نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ پھر یونانی بکتریوں نے اسے فتح کیا جن کے ہاتھوں سے شاہ گونڈوفرس کے خاندان نے اس علاقہ کو چھین لیا تھا۔ اس کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ وہ محصول تھا جو دریائے سندھ کے مختلف مقامات پر۔ کوہ ہمالیہ سے لے کر سمندر تک اشیائے برآمد و درآمد پر لگایا جاتا تھا۔ اس تجارت کا بڑا حصہ

---

1. Cambridge History of India Vol. I. p. 479

چین کا وہ مال تھا جو مغرب کی جانب سے زمین کے راستے کوہ ہمالیہ سے ہوتا ہوُا وادیٔ سندھ کو لایا جاتا تھا۔ اور وہاں سے یا تو شمالی ہند کے شہروں اور قصبوں میں اور یا مغربی ممالک میں فروخت ہونے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستانی اشیاء کی بڑی مانگ ہوتی تھی اور وہ بھی مغربی ممالک میں بھیجی جاتی تھیں۔ اِن باتوں سے ہم گونڈوفرس بادشاہ اور اس کے اراکین سلطنت اور اس کے وزیرِ تجارت کی دَولت و امارت۔ حشمت و ثروت اور شوکت و عظمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ بادشاہ گونڈوفرس کا دارالحکومت ٹیکسلا تھا جہاں حبّان دیگر عمائدینِ سلطنت کے ساتھ رہتا تھا لیکن اُس کو اپنے فرائضِ منصبی کی وجہ سے اکثر سکندریہ جانا پڑتا تھا۔

مقدّس توما رسول سکندریہ میں اعلیٰ اور ادنےٰ۔ امیر اور غریب عالم اور جاہل موحد اور بُت پرست سب کو منجی عالمین کی نجات کا پیغام سُناتے تھے[1]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں رسول کی اور ہند کے وزیرِ تجارت کی ملاقات ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ بادشاہ کا تاجر حبّان نجات سے بہرہ ور ہو کر ایماندار وں کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ رسول مقبول نے سکندریہ میں بدھ مت اور ہندوؤں کے عقاید اور فلسفہ کی باتیں سُنی تھیں۔ آپ نے حبّان سے تمام حقیقت دریافت کی۔ حبان نے حالات کو مفصّل عرض کیا اور کہا "اے منجیٔ عالم کے رسول۔ ٹیکسلا کی بادشاہی میں ہزاروں لوگ بدھ مت کے پیرو ہیں اور لاکھوں ہندو نجات سے بے بہرہ ہیں۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں اور یونانیوں۔

1. The British Encyclopedia Vol. X. art. Thomas.

سکندیوں ۔ ایرانیوں ۔ پارتھیوں اور ہندوستانیوں کو ابدی زندگی اور خدا کی
بادشاہت میں شامل کریں ۔ ٹیکسلا میں ایک یونیورسٹی بھی ہے جس میں سکن
کی طرح عالم و فاضل رہتے ہیں ۔ وہاں آپ کو ہندو فلاسفر ۔ بدھ اور جینی علما
بھی ملینگے ۔ وہاں کے گلی کوچوں میں مختلف قسم کے سادھو پھرتے ہیں ۔ جن کے
دلوں میں مکتی پانے کی تڑپ ہے ۔ آپ کو وہاں بُت پرست ۔ خدا پرست
اور ملحد ۔ یونانی اور ایرانی یہود اور غیر یہود غرضیکہ سبھی قسم کے لوگ ملینگے ۔ ٹیکس
ہندوستان کا سکندریہ ہے ۔ آپ وہاں کی لاکھوں روحوں کو بچانے کا وسیلہ بنیں
مقدس توما رسول کی آنکھوں کے سامنے ہندوستان کا منظر بندھ گیا
آپ رات دن انہی خیالات میں غرق رہتے تھے ۔ کبھی آپ کو ہندوستان کے
کروڑوں باشندوں کا خیال آتا جو خدا کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں کی
غاروں میں تپسیا کرنے اور مکتی پانے کی خاطر طرح طرح کے جتن کرتے تھے ۔ کبھی
آپ کو جینی عالموں بدھ فاضلوں اور ہندو فلاسفر کا خیال آتا جو مختلف طریقوں
سے عقل کے ذریعہ اور حکمت کے وسیلے ۔ زندگی کے بھیدوں ۔ دہر کے رازوں اور
دنیا اور مافیہا کے معموں کو حل کرنے کی بے فائدہ کوشش کرتے تھے ۔ کبھی آپ
اپنی علمی بے بضاعتی پر دھیان کرتے ۔ کبھی زبان کا خیال فرماتے کہ نہ مَیں سنسکرت
سے واقف اور نہ ایرانیوں اور ہندوستانیوں کی مذہبی کتب سے آشنا ۔ کبھی وہ
خشکی اور تری کے سفر کی صعوبتوں کی طرف نظر کرتے اور کبھی ہندوستان کے
فاصلہ اور دُوری کا خیال کرتے تھے ۔ کبھی آپ اپنے جسم کے عوارض اور کمزوریوں
کی طرف دیکھتے اور کبھی آپ کا عبرانی اور آرین نسل کے اختلافاتِ نسلی اور مغائرت
قومی کی جانب خیال جاتا تھا ۔ پھر آپ خیال کرتے کہ ہزاروں محض تجارت اور دنیوی
منفعت کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال لیتے ہیں ۔ کیا مَیں انجیل کی خاطر یہ نہیں

ایشیا

میلوں کا پیمانہ



روم
بحیرہ متوسط
یونان
بحیرہ اسود
انطاکیہ
سکندریہ
ایڈیسہ
یروشلم
مصر
بحیرہ کیسپین
فرات
دجلہ
تخت بابل
پشاور
ٹیکسلا
اٹک
ایران
فارس
دریائے سندھ
عرب
بحیرہ احمر
بریینس (سواکن)
افریقہ
ہندوستان
بمبئی
سکوترہ
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
مائیلاپور
کرنگانور (مزیرس)
لنکا

مقدس توما رسول کے سفروں (صفحہ ۶۳ اور ۱۰۱ تا ۱۰۴) کا اور دیگر مقامات کا نقشہ

کرسکتا؟ پھر آپ کو اپنے وطن کی اور کبھی عزیز و اقارب کی جدائی کا خیال ستاتا تھا۔ غرض آپ ہر وقت اسی شش و پنج میں پڑے رہتے تھے اور یہ زمانہ آپ کے لئے ایک زبردست آزمایش اور ابتلا اور روحانی کشمکش کا زمانہ تھا کیونکہ آپ کی زندگی کے مستقبل کا تمام دار و مدار اُس لفظ "ہاں" پر تھا جو آپ نے حبان سوداگر کی دعوت کے جواب میں دینا تھا۔

مقدس توما کے ساتھی مقدس پطرس ایک دفعہ اسی قسم کی مشکل میں پڑے تھے تو خداوند نے رویا کے ذریعہ ان کو جواب دیا تھا (اعما ۱۰: ۹-۲۹)۔ مقدس پولوس کی بھی ایسے ہی حالات میں خواب کے ذریعہ خداوند نے ہدایت کی تھی (اعما ۱۶: ۹، ۱۰)۔ خود مقدس توما جب پہلے تذبذب کی حالت میں گرفتار تھے تو منجی جہان نے ان پر رحم کھا کر ان کی تشفی فرمائی تھی (یوحنا ۲۰: ۲۶-۲۹)۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ آپ نے ہدایت پانے کے لئے خدا سے دعا مانگی۔ جب آپ سو گئے تو آپ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ منجیٔ عالمین آپ کے پاس آئے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "توما۔ تو خوف نہ کر۔ تو ہندوستان کو جا اور وہاں کلام سنا کیونکہ میرا فضل تیرے ساتھ ہے"۔ اگلے روز مقدس توما علی الصباح اُٹھے۔ آپ نے دعا کی اور کہا "اے خداوند جہاں تو چاہتا ہے میں جاؤں گا۔ تیری مرضی پوری ہو" یہ کہہ کر آپ حبان کے پاس تشریف لے گئے جو روانگی کی تیاریاں کر رہا تھا آپ نے اس کو اس کے ہمراہ جانے کی بشارت دی۔ اور زبانِ مبارک سے فرمایا "میں اپنے آقا خداوند مسیح کا غلام ہوں۔ اور اُس کی خاطر اس کے غلاموں کا غلام ہوں" (مقابلہ کرو متی ۲۰: ۲۸ و لوقا ۲۲: ۲۷ و ۱ کر ۹: ۱۹ و ۲ کر ۴: ۵ و روم ۱: ۱ وغیرہ) یہ غالباً ۴۷ء یا ۴۸ء کا واقعہ ہے۔

مقدس توما کی روانگی پس مقدس توما رسول اپنے عزیز و اقارب کو الوداع

کہہ کر حبّان کے ہمراہ جہاز میں سکندریہ سے روانہ ہو گئے اور اگلے روز اندراپولس (سندرُودک) کی بندرگاہ میں پہنچے۔ وہاں سے گیارہ روز کے بعد کوپ ٹوس پہنچے جہاں سے سات دن تک صحرا میں سفر کر کے بیری نیس (موجودہ سواکم) گئے۔ وہاں سے وہ پھر جہاز پر سوار ہو کر خلیج عدن سے پار ہو گئے اور ایک ماہ تک بحیرۂ عرب کی موسمی ہواؤں کی وجہ سے انہوں نے بحری سفر کی مصیبتوں کو جھیلا کیونکہ اُس زمانہ میں صرف جُون اور ستمبر کے مہینوں کے درمیان ہی جہاز بحیرۂ عرب سے مشرق کی جانب آتے تھے۔ خدا خدا کر کے وہ ٹھٹہ پہنچے جو دریائے سندھ کے جنوبی ڈیلٹا کی بڑی بندرگاہ ہے۔ وہاں سے وہ کشتیوں کے ذریعہ تیرہ سو میل تک دریائے سندھ میں سے چلتے گئے اور بالآخر اٹک جا پہنچے جہاں سے خشکی کی راہ چالیس میل جنوب مشرق کی جانب سفر کر کے وہ بخیر و عافیت ماہ اگست کے درمیان میں اپنے منزلِ مقصود ٹیکسلا پہنچ گئے۔ جو شاہ گونڈوفرس کا دارالسلطنت تھا۔

شہر ٹیکسلا کے حالات

جب مقدس توما رسول نے اپنے قدوم میمنت لزوم پنجاب کی سرزمین پر رکھے اُس زمانہ میں شہر ٹیکسلا اپنی پُوری شان و شوکت اور ثروت و حشمت میں تھا۔ آپ کی آمد سے صدیوں پہلے یہ شہر اپنی عمارتوں کی وجہ سے مشہور تھا[1]۔ اور ابتدا ہی سے علم و فضل کا مرکز تھا۔ اس کے قریب ہی پانینی پیدا ہوا تھا۔ جو ہندوستان کا مشہور ویاکرن یا صرف و نحو کا قواعد دان تھا۔ اور غالباً سکندر کی فتوحات کے زمانہ میں ٹیکسلا کی یونیورسٹی میں اُستاد تھا۔ سکندر کے تیس سال بعد شاہزادہ اشوک اپنے باپ بندوسار کا وائسرائے ہو کر یہاں حکومت کرتا رہا۔ اس کے زمانہ میں بھی اس شہر کی شان و شوکت برقرار رہی۔ لیکن ۴۵۵ء میں ہُن افواج نے اس کو

---

[1] لفظ تکش شلا کے معنی "تراشے ہوئے پتھروں کا شہر" ہے۔

ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ وہ پھر کبھی سر اُٹھانے کے قابل نہ رہا *

محکمۂ آثارِ قدیمہ کے ڈائرکٹر جنرل سر جان مارشل نے قدیم ٹیکسلا کی کھدائی کر کے اس کی اہمیت کو ہم پر ظاہر کیا ہے[1] ان قدیم کھنڈرات میں ہندو یونیورسٹی ہے۔ جہاں پانینی پڑھایا کرتا تھا۔ یہاں ہندو اور جین اور بُدھ مت کے مندر ہیں۔ ان کے علاوہ بدھ مت کے بیشمار سٹوپ اور خانقاہیں اور مٹھ موجود ہیں۔ بادشاہ گونڈوفرس کا محل اور اس کا قلعہ انیس سو سال کے بعد پھر ہم کو نظر آتا ہے۔ اُس کے شہر کے مکانات ایسے فراخ ہیں کہ سر جان مارشل کا خیال ہے کہ ان میں سے بعض آشرم تھے جن میں گورو اور چیلے ایک ہی مکان میں بطور ایک خاندان کے زندگی بسر کرتے تھے۔ شہر کے شمالی دروازہ سے نصف میل باہر ایک مقام پر جو پچیس فٹ اُونچا ہے ایک زرتشتی مندر واقع ہے۔ جو ۱۵۸ فٹ لمبا اور ۸۵ فٹ چوڑا ہے۔ یہ مندر نہایت عالیشان ہے کیونکہ بادشاہ گونڈوفرس زرتشت کے مذہب کا پیرو تھا اور تمام پارتھی اسی شاہی مندر میں عبادت کیا کرتے تھے۔

ٹیکسلا کے مذاہب

زرتشت ساتویں صدی قبل مسیح پیدا ہوا اس نے ایران اور ہندوستان کے مذہبی خیالات کو جو اُس کے زمانہ میں ایران میں مروّج تھے لیا اور ان کو ایک اخلاقی نظام میں مرتب کر دیا۔ وہ ایک انتہا پسند مصلح تھا جس نے توحیدی عناصر کو

1. Guide to Taxila by Sir John Marshall (Calcutta 1921).

بُت پرستی ۔ دیوتا پرستی اور جادو اور سحر وغیرہ کے پنجہ سے نکال کر جُدا کر دیا اور یُوں اپنے زمانہ کے خیالات کو مختلف طرح کی آلائشوں سے پاک کر دیا۔ اُس نے جو خُدا کا تصوّر پیش کیا وہ بڑی حد تک اچھوتا تھا۔ زرتشت کا اہرمزد انفرادی شخصیت رکھتا تھا جو اپنے پرستاروں سے ایک خاص قسم کی پرستش اور عبادت کی توقع رکھتا تھا۔ الوہیت کا یہ تصوّر آریاؤں کے مبہم اور فلسفیانہ تصوّر سے بالکل جُدا تھا۔ مختصراً اُس کی تعلیم یہ تھی کہ ابتدا ہی سے دو اصول مستقل اور ازلی ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں ۔ صبحِ ازل ہی سے اہرمزد اور اہرمن برسرِ پیکار ہیں۔ اہرمزد نور اور خیر ایمان اور نیکی کا علمبردار ہے لیکن اہرمن فتنہ اور شر۔ تباہی اور ظلمت کا نمایندہ ہے۔ اہرمن (بدی)، کی یہی کوشش ہے کہ اہرمزد (نیکی)، کو زائل کر دے لیکن نیکی دُعا کے ہتھیار سے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ اور اس جنگ میں طویل کشمکش کے بعد فتح کا سہرا بالآخر نیکی کے سر پر ہوگا۔ نیکی اور بدی انسان کے خیالات اقوال و افعال میں موجود ہیں۔ دانا شخص وہ ہے جو نیکی کو اختیار کرتا ہے۔

زرتشت کا مذہب اخلاقی اور عملی ہے جس کا فلسفہ اور حکمت کے ساتھ کسی قسم کا تعلّق نہیں ۔ اس کے نظام میں اخلاقیات کا عنصر غالب ہے اور وہ تعصبات سے یکسر خالی ہے ۔ پس اس مذہب کا اخلاق پر گہرا اثر پڑا۔ اہرمزد کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی بسر کرنا اور زرتشتی رسوم عبادت کو ادا کرنا حسین اخلاق کا معیار ہے۔ شخصی نیکیوں میں دیانت داری ایمانداری اور بے لاگ کھری زندگی بسر کرنا سب سے زیادہ قابل قدر باتیں شمار کی جاتی ہیں۔ پاکیزگی پر بھی زور دیا گیا ہے لیکن اس سے مراد محض بدکاری وغیرہ

سے ہی پرہیز کرنا نہیں ہے بلکہ اس میں رسمی ناپاکی مثلاً ناپاک جسموں اور لاشوں وغیرہ سے بھی پرہیز کرنا شامل ہے۔ گناہوں کے کفارہ کے لئے عقوبتِ نفس اور ریاضت کے قوانین مقرّر ہیں۔

ہندی ایرانی مذہب میں آگ کو ایک خاص مرتبہ حاصل ہے۔ وہ دُنیا میں ذاتِ مطلق کی شبیہہ اور زندگی کا سرچشمہ تصوّر کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زرتشتی مندروں میں آتشکدے ہیں جہاں آگ ہمیشہ دن رات جلتی رہتی ہے۔ جس مقام میں آگ جلتی ہے وہاں مُوبد یعنے خادمِ آتشکدہ دن میں پانچ مرتبہ جاتا ہے اور جاتے وقت اپنے منہ کا نچلا حِصّہ ڈھانک لیتا ہے۔ اور ہاتھوں میں دستانے پہن لیتا ہے تاکہ آگ کسی طرح ناپاک نہ ہونے پائے۔ اور آگ میں صندل کی لکڑی رکھ دیتا ہے۔ ہر زرتشتی اپنے گھر میں آگ رکھتا ہے اور اس کو بُجھنے نہیں دیتا۔

ان اصولی امور کے علاوہ پُل صراط۔ جنّت۔ حور و غلمان۔ معراج۔ سردش۔ ملک الموت۔ جنّات اور ذرّاتِ کائنات۔ نور و ظلمات وغیرہ عقاید زرتشتیوں کے عقاید میں شامل ہیں۔ ہم ان خیالات سے واقف ہیں کیونکہ اسلام نے ان کو زرتشتی مذہب سے اخذ کیا ہے۔ اسلامی عقیدہ کہ ہر نبی اپنی وفات سے پہلے آنے والے نبی کی بشارت دیتا ہے زرتشتیوں کی کتاب "دساتیر آسمانی" سے ماخوذ ہے جس کے ہر صحیفہ کے شروع کے الفاظ یہ ہیں "بنامِ ایزدِ بخشایندہ بخشایش گر مہربان دادگر" جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے مترادف ہیں۔ (ینابیع الاسلام فصل پنجم۔ ماخذ القرآن نگار بابت جنوری ۱۹۴۵ء باب پنجم وغیرہ)۔

ٹیکسلا میں اس شاہی مذہب کے علاوہ ہندو مت اپنی مختلف شکلوں

میں موجود تھا اور ہندو فلسفہ بھی اپنے عروج پر تھا۔ جینی اور بدھ مذہب
اس کو زک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ تاریخ عالم میں غالباً بُدھ پہلا شخص
تھا جس نے قدیم مذہبی شعائر اور سناتنی رسوم کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے
کی جرأت کی اور اخلاق کو ہندو مت کے تصرّف سے نجات دلانے کی کوشش
کی۔ اس کے زمانے تک عقل ہندو روایات اور توہمات کے تہ در تہ پردوں
میں لپٹی رہی تھی۔ اور کسی انسان کا حوصلہ نہ تھا کہ وہ برہمنوں کے مذہبی مسلمات
کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھے۔ عامتہ النّاس جو غور و فکر کی اذیت
برداشت نہیں کر سکتے بغیر چون و چرا برہمنوں کے کہنے پر عمل کرتے تھے
بدھ نے اس ہمہ گیر ذہنی غلامی کے خلاف بغاوت کی آواز بلند کی۔

بدھ یا سدھارتھ گوتم نیپال میں کپل وستو میں ۵۶۷ء قبل مسیح پیدا ہُوا
وہ ایک کشتری راجہ شدودھن کا بیٹا تھا۔ اس شہزادہ کے تجربہ اور مشاہدہ
نے اس پر یہ ظاہر کر دیا کہ دُنیا میں ہر چہار طرف دُکھ اور رنج۔ غم اور محن ہے
پس وہ ان امور کی سوچ میں لگا رہتا اور اس مسئلہ کا حل چاہتا تھا وہ
کہتا تھا کہ دُنیا میں ہر چہار طرف رنج و الم موجود ہے جس کا کوئی سبب
ہے۔ اور چونکہ اس کو دُور کرنا ہمارا فرض ہے لہٰذا اس کا حل موجود ہے۔
جب وہ ۲۹ سال کا ہُوا اس نے تخت و تاج پر لات مار گھر بار چھوڑ دیا۔
اور سات سال دُعا۔ مراقبہ۔ ریاضت اور گوشہ نشینی میں گزار دیئے لیکن
اس کی تمام تپسیا اس گُتھی کو نہ سُلجھا سکی جس نے اس کو پریشان کر رکھا
تھا۔ ایک دفعہ وہ مایوسی اور نا اُمیدی کے عالم میں ایک درخت کے نیچے
بیٹھا تھا کہ یکایک اُس پر علم کی روشنی چمکی اور شہزادہ سدھارتھ بدھ ہو گیا
کیونکہ اب وہ بزعم خود غم و محن کے مسئلہ کو سمجھ گیا تھا۔ اس کے بعد وہ بنارس

گیا جہاں اس نے اپنے اصولوں کا پرچار شروع کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ رنج والم
کی اصل جڑ خوشی کی خواہش ۔ وجود کی لگن اور طاقت کی ہوس ہے انسان
زندگی کی خواہش کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ دُکھ ہے اور جنم اور جُونوں کا لامتناہی
سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۔ پس دُکھ تب ہی دُور ہو سکتا ہے جب ان
امور کی رغبت اور تمنّا فنا ہو جائے ۔ اس مقصد کو پُورا کرنے کے لئے
اس نے ایک مارگ قائم کیا جس کے آٹھ جزو تھے یعنی سچے عقاید اور
خیالات ۔ حق قول اور فعل ۔ درست زندگی اور کوشش حقیقی زہد اور
مراقبہ ۔ بدھ کہتا تھا کہ دنیاداری اور تپسیا (جن کا اس کو ذاتی تجربہ تھا)
افراط و تفریط ہیں ۔ لیکن یہ مارگ میانہ روی اور اعتدال کا طریق ہے جو اس
راہ پر گامزن ہو گا وہ نروان حاصل کریگا جو فنا اور عدم موجودگی کی حالت
ہے ۔ اسی کا نام ابدی خوشی اور آرام ہے ۔ کیونکہ ایسی حالت میں انسان
مسرت و انبساط اور غم والم کی طرف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

بدھ علم اور فلسفہ کی بجائے عمل اور اخلاق پر زور دیتا تھا۔ وہ کہتا
تھا کہ ہر شخص کی تقدیر اس کے اپنے ہاتھوں میں ہے جس کو خدا اور دیوتا
بدل نہیں سکتے ۔ کرم اور تناسخ کے چکر سے نکلنے کا صرف یہی راستہ
ہے کہ انسان نیک اعمال کرے ۔ دیوتاؤں کے سامنے قربانیاں چڑھانا یا
وید منتروں کو پڑھنا فضول اور بیکار ہے ۔ کیونکہ یہ باتیں علّت و معلول کے
زبردست اور اٹل قانون کو تبدیل نہیں کر سکتیں ۔ سب نیک اعمال
کرنے والے خواہ وہ کسی فرقہ اور ذات کے ہوں نروان حاصل کر سکتے ہیں۔
پس وہ سب کو دعوت دیتا تھا کیونکہ شودر اور برہمن سب اس کے
نظام میں مساوی درجہ کے تھے ۔ اس نے برہمنوں کی سند ۔ ان کی

رسوم۔ ان کے اختیار کو اور خدا اور انسان کے بیچ درمیانی ہونے کے دعووں کو رد کر دیا۔ وہ خُدا کے وجود کے بارے میں ہمیشہ خاموش رہتا تھا وہ نہ تو اس کی ہستی کا اقرار کرتا تھا اور نہ انکار کرتا تھا بلکہ اس کی ہستی کو وہ نظر انداز کر دیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اس قسم کے فضول جھگڑوں میں پڑنا تضیع اوقات ہے۔ وہ ویدوں کی سند کا منکر تھا۔ اس نے برہمن پنڈتوں کی زبان سنسکرت کو چھوڑ کر عامتہ الناس کی زبان پالی کو اپنے خیالات کی تبلیغ کا وسیلہ بنایا۔

ابتدا میں بدھ صرف ایک مصلح تھا لیکن جب اس کے پیرو بڑھ گئے تو وہ ایک جداگانہ مذہب کا بانی ہو گیا اور اس کے راہبانہ سلسلے الگ قائم ہو گئے۔ ہزاروں مرد اور عورتیں بھکشو اور بھکشونی ہو گئیں۔ بدھ ۴۵ سال تک جابجا اپنی تعلیم کا پرچار کرتا رہا۔ اور اسّی سال کی عمر میں راہیٔ مُلکِ عدم ہوُا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا مذہب زور پکڑتا گیا یہاں تک کہ راجہ اشوک نے اس کو قبول کر لیا۔ اس کے عہد حکومت (۲۷۲ قبل مسیح تا ۲۳۲ قبل مسیح) میں بدھ مت راج مت ہو گیا۔ اور تمام ہندوستان۔ لنکا۔ چین۔ تبت اور دیگر مشرقی ممالک میں پھیل گیا۔ اس نے اپنے مت کے پرچارکوں کو ہندوستان کے باہر غیر ممالک مثلاً سلطنتِ شام۔ مصر۔ سائیرینہ۔ مقدونیہ وغیرہ میں بھیجا تاکہ بدھ مت کی اشاعت کریں۔

جب بدھ مت کی ٹکر دوسرے مذاہب سے ہوئی تو وہ اپنی سادگی کو کھو بیٹھا۔ اس کے اصُول صرف فلسفیانہ مزاج کے لوگوں کو ہی اپنا گرویدہ کر سکتے تھے لیکن عوام النّاس کے جذبات

کو متاثر کرنے سے وہ قاصر ہے کیونکہ یہ مذہب جذبات سے یکسر معریٰ تھا۔ بدھ آپ اگناسٹک اور لاادری تھا اور کسی ایسی ہستی کا قائل نہیں تھا جو گناہوں کی سزا اور نیکی کی جزا دے۔ دُکھ اور محن کے مسئلے کا جو حل اس نے دُنیا کے سامنے پیش کیا وہ ایجابی اور اثباتی نہیں تھا بلکہ وہ چند سلبی اور منفی تھا۔ یعنی اندرونی رنج کی طرف سے بے نیاز ہو جانا اور بیرونی اور خارجی الم کا باعث نہ ہونا۔ یہ اصول بدھ کا ہنایان مت (یعنی حمل اصغر) تھا جو اس کی اخلاقیات کا ماخذ تھا۔ کسی نیک بالذات خُدا کی نیکی بدھ کی اخلاقیات کا سرچشمہ نہیں تھی۔ چونکہ عوام الناس کے لئے اس قسم کا مذہب کوئی اپیل نہیں رکھتا انہوں نے بدھ مت کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھال لیا۔ راجہ اشوک کی موت کے تھوڑے عرصہ بعد عوام نے بدھ کو خدا بنا لیا جو ابدالاباد زندہ ہے۔ اور وقتاً فوقتاً انسانی لباس میں دنیا میں آتا ہے حالانکہ بدھ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ نروان حاصل کرنے کے بعد وہ دُنیا میں کبھی دوبارہ واپس نہیں آئیگا۔ لیکن عوام یہ ماننے لگ گئے کہ بدھ پُوجا کرنے والوں کی دُعائیں سُنتا ہے ان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ اور ان کو برکت دیتا ہے۔ بدھ اور انسان کے درمیان عوام نے درمیانی دیوتے یعنی بودھی ستوا بنا لئے جو زبردست اور طاقتور شمار کئے جاتے تھے گو انہوں نے ابھی کامل نروان حاصل نہیں کیا تھا۔ اس نئے مت کی کتابیں اب پالی کی بجائے سنسکرت زبان میں لکھی گئیں جو برہمنوں کی زبان تھی اور چونکہ ان میں سنسکرت اور برہمنوں کی اصطلاحات کا استعمال کیا گیا لہذا اس نئے بدھ مت اور برہمنوں کے خیالات میں تخالف اور تضاد آہستہ آہستہ مٹ گیا اور دونوں میں باہمی میل ملاپ بڑھتا گیا چونکہ اب بدھ بھی ایک دیوتا

تسلیم کر لیا گیا تھا لہذا اس میں اور برہمنوں کے دیوتاؤں میں فرق نہ رہا۔
برہمنوں نے بھی بدھ کی اہمسا کی تعلیم کو اپنا لیا۔ اب بدھ مت وہ قدیم اصلی
بدھ مت یعنی ہنایان مت نہ رہا بلکہ اس نے ایک اور روپ اختیار کر لیا۔
جس کو "مہایان" (یعنی حلِ اکبر) کہتے ہیں اور یوں بدھ مت برہمنوں کے
مت میں جذب ہو گیا ÷

جب مقدس توما ٹیکسلا میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں بھی مہایان
مت رائج تھا۔ جو بدھ کی تعلیم کے عین ضد ایک شخصیت رکھنے والے
خدا کے ساتھ بھگتی کے طریقہ پر زور دیتا تھا۔ اس مت کے علاوہ جین مت
کے پیرو بھی ٹیکسلا میں آباد تھے۔ یونانی بھی بکثرت آباد تھے۔ اور انہوں نے
یونانی دیومالا۔ یونانی علوم و فنون۔ یونانی رسوم اور یونانی فیشن کو رواج دے
رکھا تھا۔ یونانی، رومی فنونِ نقاشی اور سنگتراشی نے اس زمانہ کے
ہندوستانی فن نقاشی اور سنگتراشی پر بڑا زبردست اثر ڈالا۔ کسی غیر
معروف یونانی نے بدھ کا ایک نہایت خوبصورت مجسمہ بنایا جو ایسا مقبول
عام ہو گیا کہ بدھ اور بودھی ستوؤں کی ہزاروں مورتیاں بن گئیں اور یونانی
رومی اور ہندو دیوتاؤں کی طرح بدھ کی مورتی پوجا بھی ہوتی تھی "گندھار
مسلک فن" کی ابتدا اسی طرح ہوئی تھی ÷

ان مذاہب کے علاوہ مقدس توما کی آمد کے وقت شمال مغربی ہند
میں مختلف ممالک اور اقسام کی تہذیبیں ایک جگہ اکٹھی تھیں اور ٹیکسلا
ان تمام تہذیبوں اور ثقافتی روائتوں کا مرکز اور گہوارہ تھا۔ شاہ
گونڈوفرس کے دربار میں یونانی زبان ہی درباری زبان تھی کیونکہ یہی
زبان پارتھیا کی سلطنت کی درباری زبان تھی۔ گویہ یونانی اب خالص

ٹکسالی یونانی نہ رہی تھی۔ پس ٹیکسلا مقدس توما رسول کے زمانے میں فلسفہ۔ ادبیات۔ سنسکرت ڈراما۔ اور دیگر اقسام کے علوم و فنون کا گھر تھا۔ اس کے باشندے غور و فکر کرنے کے عادی اور فلسفیانہ مزاج کے انسان تھے جن کی روحانی پیاس کو بجھانے کی خاطر ہندومت نے بھاگوت گیتا جیسی کتاب کو مرتب کیا تھا۔ پس اس قسم کے لوگوں کو انجیل جلیل کا جانفزا پیغام سنانے کی خاطر منجیٔ عالمین نے اپنے شاگردوں میں سے ایک ایسے شخص کو چن کر بھیجا جو خود غور و فکر کرنے کا عادی اور حکیمانہ طبیعت اور فلسفیانہ مزاج رکھتا تھا تاکہ ملکِ پنجاب کے باشندے ابدی نجات حاصل کر سکیں ❖

ٹیکسلا میں اشاعتِ انجیل

قصہ کوتاہ مقدس توما نے ٹیکسلا میں رہائش اختیار کی۔ جب آپ اس شہر اور گرد و نواح کے دیہات اور قصبات میں بدھ مت کی مورتیوں۔ خانقاہوں اور مٹھوں اور ستوپوں کو جینی مندروں اور بتوں کو شہر کے شاہی عظیم الشان زرتشتی مندر کو۔ سوریا دیوتا کے مندر کو اور ہندوؤں کے دیگر بیسیوں چھوٹے مندروں۔ دیوانوں اور ہزاروں بتوں اور مورتیوں کو دیکھتے ہوں گے تو مقدس پولوس کی طرح آپ کا "جی جل جاتا" ہوگا (اعما ۱۷: ۱۶) مقدس پطرس کے الفاظ میں آپ کا "سچا دل شکنجے میں کھینچتا تھا" (۲ پطر ۲: ۸) اور وہ محسوس کرتے ہونگے کہ ٹیکسلا کی سلطنت کو خداوند مسیح کے لئے سر کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ پس وہ بقول شخصے ع "حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی" سر توڑ کوشش کر کے رات دن محنت کرتے ہونگے۔ عبرانی۔ ارامی اور یونانی زبانوں سے تو آپ پہلے ہی سے واقف تھے۔ پس پہلے پہل آپ کی تبلیغی

مساعی لازماً یہود اور یونانی جاننے والے غیر یہود تک ہی محدود رہی ہوں گی لیکن آپ نے کوشش کر کے اہل پنجاب کی زبان نہایت ذوق و شوق سے سیکھ لی ہوگی۔ تاکہ خدا کی محبت کا اعلان ہندوؤں۔ جینیوں اور بدھ مت کے پیروؤں میں بطرزِ احسن کر سکیں۔ چونکہ ہندو یونیورسٹی شہر میں قائم تھی لہذا یہ موزوں بھی تھا کہ مسیح کا ایلچی اور رسول اس شہر میں مقیم ہو کر خدا کی محبت اور گناہوں کی معافی کی خوشخبری ان علماء کو دیتا جو کرم اور تناسخ کے مسائل کی وجہ سے اس تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ آپ نے سنسکرت زبان اور ہندو شاستروں کا مطالعہ کیا ہوگا تاکہ ہندو پنڈتوں کے ساتھ بحث کر کے اُن کو ضلالت کے گڑھے سے نکال کر راہِ راست پر لا سکیں۔ غرضیکہ مقدس توما رسول نے حتے الوسع کوشش کی اور ہر امیر و غریب۔ اعلیٰ اور ادنیٰ۔ عالم اور جاہل اور ہر قوم قبیلہ اور مذہب کے لوگوں میں خُداوند مسیح کی نجات کی خوشخبری دیتے رہے +

اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ رسول مقبول کی تبلیغی مساعی ضرور پھل دار ہوئیں اور ٹیکسلا میں مسیحی کلیسیا قائم ہو گئی جس میں یونانی۔ پارتھی۔ پنجابی۔ یہودی۔ ہندو۔ جینی۔ بودھ۔ زرتشتی۔ فلاسفہ۔ پنڈت۔ عالم۔ جاہل۔ شرفا اور غربا۔ غرضیکہ ہر نسل قوم مذہب اور طبقہ کے لوگ ایک خاصی تعداد میں شامل ہونگے۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اِس کلیسیا کا کیا حشر ہوا؟

مقدس توما کی آمد کے چند سال بعد شاہنشاہ گونڈوفرس اعظم اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی سلطنت قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ دنیوی دولت اور سامانِ عیش و عشرت نے سلطنت کی

جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہؤا تھا۔ کُشان لوگ جو چین سے مغرب کی جانب
دریائے اوکسس کی طرف آ کر بکتریا میں آ بسے تھے اب زور پکڑ گئے۔
سنہ ۵۰ء میں وہ کوہ ہندوکش پر چڑھ آئے اور وادیٔ کابل پر قبضہ کر کے
قندھار کے صوبہ پر فتحیاب ہو گئے۔ بعد ازاں انہوں نے اپنی فوج کو جمع
کر کے پنجاب پر دھاوا بول دیا۔ اور ٹیکسلا کو تہ و بالا کر کے غارت کر دیا۔ خاندان
کُشان کے تیسرے بادشاہ کنشک نے اس کو ایسا ملیا میٹ کر دیا اور
سکدی پارتھی سلطنت کو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ اس کے بادشاہوں کا
نام تک صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور حرفِ غلط کی طرح ایسا محو ہو گیا کہ ان
میں سے کسی کا نام و نشان تک کہیں نہ رہا۔ حضرت سعدیؒ کے شعر کا ایک
ایک لفظ اس سلطنت کے گردن فرازوں پر صادق آتا ہے ؎

بس نامور بزیرِ زمیں دفن کردہ اند — کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

بادشاہ کنشک نہایت ظالم ستم گار اور خونخوار بادشاہ تھا یہاں تک
کہ اس کے اپنے عمائدین سلطنت اس کے ہاتھوں تنگ آ گئے تھے۔ اس نے
بدھ مت کو اختیار کر لیا اور برہمن پنڈتوں کو چُن چُن کر قتل کر دیا۔ ایسے
ستم شعار بادشاہ سے یہ اُمید نہیں ہو سکتی کہ وہ مسیحی کلیسیا جیسی متعصب
جماعت کو زندہ چھوڑتا جو علی الاعلان کہتی تھی کہ اس کے سوائے تمام مذاہب
باطل ہیں (اعمال ۴: ۱۲) یہ بادشاہ بتوں کی پُوجا کرتا تھا اور بُدھ کی مورتیوں کے
جلوس پشاور (جو اس کا دار السلطنت تھا) اور دیگر مقامات میں اکثر

1. Ishwar Das & Khanna, Hist. of India pp. 69-70.

نکالا کرتا تھا۔ جب اس نے یہ سُنا کہ مسیحی کہتے ہیں کہ "بُت دُنیا میں کوئی چیز نہیں اور سوائے ایک کے کوئی خُدا نہیں" (اکر ۸: ۴) اور وہ مُنادی کرکے "یہ خوش خبری سُناتے ہیں کہ ان باطل چیزوں سے کنارہ کرکے اس زندہ خُدا کی طرف پھرو جس نے آسمان و زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا" (اعمال ۱۴: ۱۵) تو وہ مسیحیوں کے خون کا پیاسا ہو گیا اور اس نے پنجاب کی کلیسیا کے نئے پودے کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا۔ شہیدوں کے خون نے ٹیکسلا کے تنگ کوچوں اور گلیوں کو رنگین کر دیا۔ اس نے کلیسیا کا نام ونشان مٹا دیا۔ یہاں تک کہ اس کی ہستی کے آثار بھی تاریخ کے صفحوں سے نابود ہو گئے۔

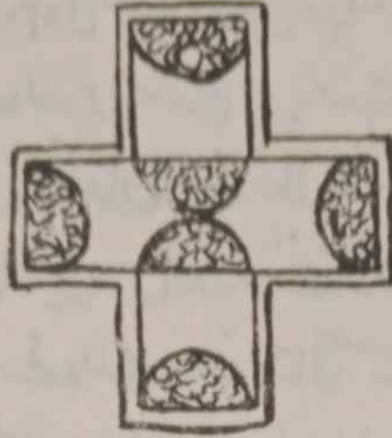
ٹیکسلا کی کلیسیا کے بعض مسیحیوں نے اپنے خداوند اور نجات دینے والے کے حکم کے مطابق وسط ہند اور شمال مغربی ہندوستان کے دوسرے شہروں میں اور صوبہ کابل و قندھار کی جانب بھاگ کر پناہ لی اور ان ممالک اور مقامات میں جا کر انہوں نے منجئ عالمین کی انجیل کا جانفزا پیغام سنایا اور مختلف شہروں میں کلیسیائیں قائم ہو گئیں۔ یہ کلیسیائیں دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئیں حتیٰ کہ ان میں اسقفوں اور صدر اسقفوں کے صدر مقام قائم ہو گئے۔ انشاء اللہ ہم آئندہ حصّہ میں ان کلیسیاؤں کا ذکر کرینگے۔ بدقسمتی سے یہ کلیسیائیں دیگر مرکزی کلیسیاؤں سے دُور ودراز مقامات میں رہتی تھیں۔ اور کفر۔ شرک اور بت پرستی کی کالی گھٹاؤں کی ظلمت سے چاروں طرف ہر وقت گھری رہتی تھیں۔ پے در پے کی ایذارسانیوں نے مسیحیوں کے خون سے زمین کو لالہ زار بنا دیا تھا۔ ان تمام اسباب کی وجہ سے ہر سال کلیسیاؤں کی تعداد کم ہوتی گئی اُن کی اقتصادی

حالت روز بہ روز خراب ہوتی گئی اور ان کی سیاسی زبونی بڑھتی گئی۔ بالآخر ان کی یہ حالت ہو گئی کہ سولھویں صدی میں جب مغل بادشاہ اکبر (از ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) ہندوستان کا حکمران ہوا تو شمالی ہند اور وسط ہند میں مسیحیت کے نام لیوا اقتدار اور شمار میں اس قدر کم تھے کہ اکبر اعظم کے کانوں تک مسیحیت اور انجیل جلیل کے پہنچانے والے ہندوستانی مسیحی اور مبلغین نہیں تھے بلکہ مغربی ممالک کی رومی کلیسیا کے پردیسی مبلغین تھے۔

۱۹۳۵ء کا ذکر ہے کہ ایک کسان ٹیکسلا کے کھنڈرات کے اُس قدیم حصے میں جو کسی زمانہ میں بادشاہ گونڈوفرس کا شہر تھا ہل چلا رہا تھا۔ جب ہل سے زمین کھُدی تو اُس کو ایک صلیب ملی۔ دہلی مشن کے مرحوم پادری کنگ صاحب کا بھائی مسٹر کنگ (King) اس زمانہ میں راولپنڈی کی قسمت کے کمشنر تھے۔ زمیندار اُس صلیب کو ان کے پاس لے آیا اور اب یہ صلیب ٹیکسلا کے عجائب گھر میں ہے[1]۔ یہ صلیب سیاہ پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ اور پہلی صدی عیسوی کی ہے۔ اس کے بالائی حصہ میں ایک سوراخ ہے۔ ممکن ہے کہ ٹیکسلا کی مسیحی کلیسیا کے شرکاء صلیب میں سوراخ کر کے اس کو اپنے گلے میں لٹکاتے ہوں۔ بہرحال صلیب کا وجود ثابت کرتا ہے کہ مقدس توما رسول کی تبلیغی مساعی بھلدار ہوئیں اور وہاں ایک زبردست کلیسیا قائم ہو گئی تھی جس نے فنا ہونا قبول کیا لیکن اپنے منجی کا انکار کرنا منظور نہ کیا۔ اس صلیب کی

1. The Taxila Cross p. 2.

شکل یہ ہے۔



اہالیانِ پنجاب کے لئے یہ فخر اور مسرّت کا مقام ہے کہ ابن اللہ کے دوازدہ رُسل میں سے ایک نے بنفسِ نفیس پنجاب کی سرزمین میں قدم رنجہ فرمایا۔ اور اس کو اپنی حضوری کی عزت بخشی۔ دنیا کے باقی ممالک میں سے ملک پنجاب کو یہ شرف حاصل ہوُا۔ کہ ان گنتی کے چند مقامات میں سے ہو جہاں انجیل جلیل کی پہلے پہل اشاعت ہُوئی۔ اور منجئ عالمین کا پیغام اوّل اوّل سنایا گیا۔ پنجاب کی کلیسیا اوّلین کلیسیاؤں میں سے ہے اگرچہ دَورِ جہاں کی دُشمنی کی وجہ سے صدیوں تک یہاں ابن اللہ کا مُبارک نام سُنائی نہیں دیا۔

یہ عبرتناک منظر کلیسیائے پنجاب کے لئے تازیانہ کا کام دے کر ہم کو ہماری تبلیغی ذمہ داری کی یاد دلاتا ہے۔ اور زبان حال سے پکار پکار کر ہر مسیحی کو کہتا ہے کہ اپنے فرض کو پُورا کرو۔ منجئ جہان کا رسول اپنی جان خطرے میں ڈال کر اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ وطن کو خیرباد کہہ کر ہزاروں کوس کا سفر طے کر کے اپنے آقا اور خداوند کے آخری حکم کو پورا کرنے کی خاطر ہمارے ملکِ عزیز میں تشریف فرما ہوُا تاکہ اس ملک کے لاکھوں باشندے نجات سے بہرہ ور ہوں۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ

پنجاب کے مسیحی خوابِ گراں سے جاگیں اور اپنے ہم وطنوں کو انجیل جلیل کا مژدہ دیں ؂ خدا کرے کہ وہ چنگاریاں جو عارضی طور پر دفنِ خاکستر ہو گئی تھیں اب زیادہ شدت کے ساتھ سوز و اشتعال سے پیدا ہوں۔ اگر یہ آگ جسے اب روح القدس کی ہوا دے دے کر بھڑکایا جا رہا ہے شعلۂ جوالہ کی صورت اختیار کر لے تو یہ عین رضائے الٰہی کے مطابق ہوگا۔ پس پنجاب کی کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ اس کی تبلیغی تحریک پوری قوت و تنظیم اور مجاہدانہ عزم کے ساتھ کام کرے تاکہ خدا سے توفیق حاصل کر کے وطن عزیز کو سر کر سکے۔

بزمِ جم آخر شد و دورِ صبوحِ ما رسید   طرحِ دیگر می تواں انداخت در جام را

باب چہارم

جنوبی ہندوستان اور مقدس توما رسول

جنوبی ہند کے مسیحیوں کی روایت

جنوبی ہندوستان کے مسیحیوں میں پُشت در پُشت اور سینہ بسینہ یہ روایت چلی آئی ہے کہ وہ مقدس توما رسول کے ذریعہ خداوند مسیح کی نجات سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ یہ روایت مختلف گیتوں غزلوں اور شعروں کی صورت میں زبانِ زدِ خلائق ہے بعض گیت بچوں کے لئے بنائے گئے ہیں جو وہ گلی کوچوں میں مقدس توما کی یادگار میں مختلف موقعوں پر گایا کرتے ہیں۔ بعض گیت شادی کے موقعوں پر گائے جاتے ہیں[1]۔ بعض گیت ایسے ہیں جو دُعائے ربانی کے بعد ناچ کر گائے جاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے گیتوں میں تاریخی واقعات کو بہت کم جگہ ملتی ہے۔ غالباً یہ مختلف اقسام کے گیت پرتگیزوں کی آمد کے بعد کے زمانہ کے ہیں۔ کیونکہ مالابار اور کورومنڈل کے مسیحیوں نے پرتگیزی اثر کے ماتحت ڈراما نقلیں اور گیت لکھنے شروع کئے تھے۔ بعض گیت پرتگیزوں۔ ڈلک ہالینڈ والوں اور مالاباریوں نے دہقانیوں کے گانے کے لئے بنائے ہیں۔ چند ایک مجموعے زمانۂ حال کے شعرائ کے

1. Zaleski, The Saints of India pp. 129-137.

ہیں جن کی قیمت مؤرخ کے لئے تنقیدی نگاہ سے صفر کے برابر ہے کیونکہ روایات کی خصوصیت ہے کہ وہ جامد نہیں ہوتیں بلکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ اُن میں بیشی اور زیادتی ہوتی جاتی ہے۔

ان مجموعوں میں ایک مجموعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ مستند خیال کیا جاتا ہے۔ یہ مجموعہ ٹامس رمبان (= رمبان پادری) کا مجموعہ کہلاتا ہے جو ملے آلم زبان میں ساڑھے چار سو اشعار پر مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۶۰۱ء میں اس کو ملکی اپل ٹامس رمبان نے بنایا تھا جو اڑتالیسویں پشت میں اُس توما کی اولاد تھا جس کو مقدس توما رسول کے مبارک ہاتھوں سے بپتسمہ پانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ یہ مجموعہ پہلے پہل ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔ اگرچہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ ۱۶۰۱ء میں لکھا گیا تھا اور اُس بڑی تاریخ کا اختصار ہے جو پہلی صدی عیسوی میں ٹامس رمبان دوم نے لکھی تھی تاہم عجیب بات یہ ہے۔ کہ اس پہلی صدی کے نسخہ کو پادری ٹامس کے سوائے کبھی کسی شخص نے نہیں دیکھا اور نہ ۱۶۰۱ء میں یہ نسخہ کسی دوسرے پرلیسٹ یا بشپ کے نوٹس میں لایا گیا۔ پس یہ ظاہر ہے کہ درحقیقت ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ پہلی صدی عیسوی میں واقعی کوئی نسخہ موجود بھی تھا۔

جب ہم ٹامس رمبان کے مجموعہ کو پڑھتے ہیں تو ہم اس میں چند ایک باتیں دیکھتے ہیں جن کی وجہ سے تمام مجموعہ تواریخی نکتۂ نگاہ سے مشکوک ہو جاتا ہے۔ مثلاً کتاب "توما کے اعمال" کی انڈوپوسی کی حکایات کو لیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ کرنگانور میں واقع ہوئیں ٹیکسلا

میں محل بنانے کی حکایت کو بے کر کہا گیا ہے کہ یہ بات مائلاپور میں واقع ہوئی حالانکہ دونوں مقامات میں قریباً ڈیڑھ ہزار میل کا فاصلہ ہے علیٰ ہذالقیاس جنوبی ہند کے تمام گیت اور مجموعے "توما کے اعمال" کی تمام حکایات کو شمال مغربی ہندوستان سے الف لیلہ کے الہ دین کے چراغ کی مدد سے جنوبی ہندوستان میں لاکر منتقل کر دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کی روایت کے موجودہ مجموعے سب کے سب "توما کے اعمال" کے مرہون منت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پرتگیز مشنریوں نے مالابار کے الٰہیات کے مدرسوں میں سے آئی طلباء کو کتاب توما کے اعمال کا خاص مطالعہ کرایا تھا۔ اور ان طلباء نے شمال مغربی ہندوستان کے قصص کو جنوبی ہند کی اصل قدیم روایت میں داخل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جو مجموعے گذشتہ چار صدیوں میں۔ یعنی پرتگیزوں کی آمد کے بعد لکھے گئے ہیں وہ تاریخی لحاظ سے اتنی وقعت بھی نہیں رکھتے جو "توما کے اعمال کی ہے۔ حالانکہ وہ کتاب ۲۰۰ء میں لکھی گئی تھی!

پس یہ معلوم کرنا نہایت مشکل ہو گیا ہے کہ جنوبی ہند کی قدیمی اصلی روایت کیا تھی۔ سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ پرتگیزوں کی آمد سے پہلے یہ روایت احاطۂ تحریر میں نہیں آئی تھی۔ اگرچہ جیسا بعد کی سطور سے عیاں ہو جائیگا ان کی آمد سے پہلے اہل مغرب کے سیّاح مارکو پولو اور مارکنتولی نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ایک بات یقینی ہے کہ ابتدا ہی سے مالابار کی قدیمی روایت میں مزیرس دکرنگانور اور مائلاپور کے مقامات روایت کے جزوِ لاینفک ہیں۔ یہ مقامات نہ صرف پہلی صدی مسیحی بلکہ دوسری اور تیسری صدی میں بھی نہایت مشہور تھے اور یہی وجہ ہے

کہ جو جگہ ان کو اس روایت میں حاصل ہوئی وہ ہمیشہ قائم رہی +

پس اگر ہم موجودہ مجموعہ میں سے وہ تمام عناصر خارج کر دیں جو سُریانی اور لاطینی یعنی خارجی عناصر ہیں تو روایت کا جو حِصّہ بقایا رہ جاتا ہے وہ پرتگیزوں کی آمد سے پہلے کا شمار کیا جا سکتا ہے اور وہی قدیمی اصلی روایت تصور کی جا سکتی ہے جو صدیوں سے سینہ بسینہ اور پشت در پشت جنوبی ہند کے مسیحیوں میں چلی آئی ہے اور یہ حصّہ ایسا ہے جس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قرائن کے خلاف ہو یا پہلی صدی عیسوی کے حالات کے موافق نہ ہو۔

مختصراً قدیمی اصلی روایت یہ ہے کہ مقدّس توما رسول سکوترہ کے جزیرے سے سمندر کی راہ مزیرس (کرنگانور) آئے۔ آپ نے عوام الناس کو انجیل جلیل کی بشارت دی۔ آپ کی منادی کا یہ نتیجہ ہُوا کہ بہت اشخاص منجئ جہان پر ایمان لے آئے۔ آپ نے سات کلیسیائیں قائم کیں اور دو پریسبٹرز کا تقرر فرمایا۔

ازاں بعد آپ ہندوستان کے مشرقی ساحل کورومنڈل تشریف لے گئے وہاں بھی آپ نے نجات کا پیغام نہایت کامیابی کے ساتھ سُنایا اور وہاں کے بادشاہ اور کثیر التعداد رعایا نے بپتسمہ پایا۔ لوگ اس کثرت سے مسیحیت میں جوق در جوق داخل ہونے لگے کہ مشرقی ساحل کے برہمن حسد اور بُغض کے مارے جل گئے۔ اُنہوں نے اچانک فساد برپا کر دیا اور ایک چھوٹے ٹیلے پر مقدّس رسول کو بھالے سے چھید کر شہید کر دیا آپ کو مائلاپور میں دفن کیا گیا۔

جنوبی ہند کے ہندوؤں کی روایت	مقدّس توما رسول کی آمد کی

روایت صرف مسیحیوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ وہاں کے ہندو بھی اسکو مانتے ہیں[1]۔ چنانچہ وہاں کے برہمنوں کی ایک تصنیف "کیرالول تپی"[2] ہے۔ جو اہل ہنود کی روایات کا مجموعہ ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ ایک بابلی (غیر ملکی) شخص توما نام ساحل مالابار میں آیا جو ویدوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے بھارت ورش کے چیدہ چیدہ اشخاص کو اپنے دام میں پھنسا کر اپنے مذہب میں شامل کر لیا حتیٰ کہ بادشاہ یا ناپیرومالی بھی اس کا پیرو ہو گیا۔

مقدس توما کی آمد اور شہادت کی تاریخ

جنوبی ہند کے مسیحیوں کی روایات کے مجموعوں میں

عموماً یہ لکھا ہوتا ہے کہ مقدس توما رسول ۵۲ء میں مالابار تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ۷۲ء میں تاج شہادت حاصل کیا۔ لیکن یہ دونوں تاریخیں پرتگیزوں کی آمد سے پہلے کی نہیں ہیں بلکہ قدیم تر بس پرتگیز ان تاریخوں کا تعین بھی نہیں کرتے جس سے ظاہر ہے کہ یہ تاریخیں پرتگیزی زمانہ (از ۱۴۹۸ء تا ۱۶۶۳ء) میں جنوبی ہندوستان کی روایت میں داخل کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں ان تاریخوں کے متعلق اتفاق بھی نہیں۔ مثلاً متی پریسٹ کے سریانی گیت (۱۷۳۰ء) اور بشپ ٹامس کے سریانی خط (۱۷۲۱ء) کے مطابق مقدس توما ۵۲ء میں جنوبی ہند تشریف لائے۔ ریکن ٹکس زبان کے اشعار کے مطابق آپ دسمبر ۵۰ء میں آئے تھے۔ بعض مجموعے ۵۱ء بتلاتے ہیں۔ لیکن اکثر مجموعے ۵۲ء پر متفق ہیں۔ اسی طرح

1. Mingana, Early Spread of Christianity p. 77
2. T. K. Joseph in Young Men of India July & Dec. '27.

آپ کی شہادت کا سن اختلاف کے ساتھ ۶۵ء۔ ۶۷ء اور ۷۲ء
بتلایا جاتا ہے۔[1]

جنوبی ہند کے مقدس مقامات

مقدس توما رسول کے آخری ایام کے ساتھ تین مقامات
متعلق ہیں جو تیرتھ گاہیں ہیں اور جہاں مسیحی زائرین اور جاتری جاتے ہیں۔
پہلا مقام مدراس سے جنوب مغرب کی جانب آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک
چھوٹی سی پہاڑی ہے جس کو "مقدس توما کی پہاڑی" کہتے ہیں۔ یہ وہ
مقام ہے جہاں حضرت رسول نے درجۂ شہادت پایا تھا۔ اس پہاڑی کی
چوٹی پر ایک گرجا کھڑا ہے جس کو پرتگیزوں نے بنایا تھا۔ اس پہاڑی پر
چڑھتے وقت قریباً نصف راستہ میں ایک ہموار قطعہ بنا پڑا ہے جس
پر کسی زمانہ میں نسطوری بشپ کا رہائشی مکان تعمیر تھا۔ جب پرتگیز یہاں
آئے تھے تو یہ پہاڑی درختوں سے گنجان تھی لیکن جب راقم الحروف نے
۱۹۴۷ء کے آغاز میں اس کو دیکھا تھا تو اس پر بہت درخت نہیں تھے۔ اِس
مقام میں کسی زمانہ میں نسطوری راہب رہا کرتے تھے۔ قدیم نسطوری
گرجا اور نسطوری خانقاہ کے کھنڈرات پہاڑی کی چوٹی پر پڑے ہیں۔

اس پہاڑی سے دو میل مدراس کی جانب ایک ٹیلہ ہے جو تقریباً
اسّی فٹ اونچا ہے اس کو "چھوٹی پہاڑی" کہتے ہیں۔ اس کی چوٹی پر بھی
ایک گرجا کھڑا ہے۔ یہاں ایک غار ہے جہاں روایت کے مطابق مقدس

1. T. K. Joseph, Young Men of India for July & Dec. 1927

تومانے شہادت کے روز پناہ لی تھی۔ غالباً آپ اس غار میں دعا کیا کرتے
ہونگے جس طرح آپ کے خداوند اور منجی کا دستور تھا (لوقا ۶/۱۲ - ۲۲/۳۹ وغیرہ)
یہاں پتھریلی سطح پر مقدس توما کے مبارک پاؤں کے نشان بھی دکھائے جاتے
ہیں۔ اِس پہاڑی کی چوٹی پر ایک تنگ شگاف بھی ہے جس میں پانی
ہمیشہ جمع رہتا ہے اگرچہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ پانی کہاں سے آتا
ہے۔ لوگ اِس کو مقدس توما کا معجزہ تصور کرتے ہیں۔

تیسرا مقام جو سب سے زیادہ متبرک ہے وہ جگہ ہے جہاں مقدس
توما رسول کی مبارک لاش دفن کی گئی تھی۔ اس مزار پر اب مقدس توما کا
عالیشان کیتھیڈرل کھڑا ہے۔ اس میں مزار مبارک کے علاوہ سب سے
زیادہ گرانقدر شے ایک پیتل کا قیمتی پتھروں اور جواہرات سے جڑا ہوا
صلیب صورت صندوقچۂ تبرکات ہے جس میں مقدس رسول شہید کے
بدنِ اطہر کی چند ہڈیاں ہیں۔ اس میں بھالے کا ایک ٹکڑا بھی ہے جس سے
آپ کو شہید کیا گیا تھا۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں راقم کو ان تینوں مقامات کی زیارت
کا شرف حاصل ہوا تھا۔ قدیم زمانہ میں یہ جگہ سمندر سے دو تین میل کے فاصلہ
پر مشرق کی جانب واقع تھی لیکن اب سمندر کا کنارہ اس کے نزدیک آ گیا ہے

کتاب "توما رسول کے اعمال" اور جنوبی ہند کی روایت

اس رسالہ کے باب اوّل میں "مقدس توما کے اعمال" کی کتاب میں جو کلیسیائی روایت نقل کی گئی ہے اس میں لکھا
ہے کہ مقدس توما بادشاہ گنڈافورس کی ریاست سے روانہ ہو کر ایک بادشاہ
کی حدود میں گئے جس کا نام "مزدیئے" تھا۔ وہاں بادشاہ کی ملکہ اور شاہزادہ
ولی عہد اور دیگر اراکین وعمائدین سلطنت مسیحی ہو گئے۔ اس پر بادشاہ کا

غضب بھڑکا اور اس کے حکم سے مقدس توما رسول کو بھالوں سے شہید کر دیا گیا۔[1]

ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کی روایت اور "توما کے اعمال" کی روایت میں اختلافات ہیں لیکن جب ہم "توما کے اعمال کی کتاب" کی روایت پر غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں جنوبی ہند کی طرف کا ایک نام بھی نہیں ملتا۔ ملکہ کا نام لاطینی ہے۔ ملکہ کی خادمہ۔ بادشاہ کے رشتہ دار اور اس کی بیوی کے نام یونانی ہیں اور باقی تمام ایرانی اور سامی نام ہیں۔ ممکن ہے کہ اعمال کے مصنف کا یہ خیال ہو کہ چونکہ شاہ گنڈافورس کی ریاست میں ایرانی سامی۔ یونانی وغیرہ تھے لہٰذا تمام ہندوستان میں انہی ناموں کے لوگ رہتے ہوں۔ لیکن یہ نام اس روایت کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں۔ تا دمِ تحریر آثار قدیمہ کا محکمہ اور تاریخ دونوں "بادشاہ مزدئی" کے نام سے ناواقف ہیں۔ ممکن ہے کہ زمانۂ مستقبل میں ہم کو اس نام کے بادشاہ کے آثار مل جائیں جس طرح شاہ گنڈافرس کے راج کے سکے مل گئے ہیں مسٹر جوزف اور بشپ میڈلی کاٹ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ یہ نام "مزدیئے" درحقیقت "مہادیو" کا بگڑا ہوا نام ہے۔[2] کسی ہندو راجہ کا خطاب "مہادیو" ہوگا۔ جس کو سریانی کلیسیا نے سریانی لباس پہنا کر "مزدیئے" کر لیا ہے۔

---

1. Farquhar, Apostle Thomas in S. India. p. 16

2. T. K. Joseph, Young Men of India, July 1927. p. 17. Also Bp. Medley Cott. p. 288.

بہر حال دیگر ایرانی - سامی - یونانی اور لاطینی نام اس روایت کو ضعیف ثابت کرتے ہیں - علاوہ ازیں یہ گمان زیادہ غالب ہے کہ برہمنوں نے حسد کے مارے فساد کر کے مقدس توما کو شہید کر دیا ہو - اسی قسم کا واقعہ مقدس پولوس کے ساتھ افسس میں ہوا تھا (اعمال ۱۹ : ۲۳ - ۴۰) پس اس نکتہ نظر سے بھی جنوبی ہند کی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے - پھر ہم دیکھتے ہیں کہ توما کے اعمال کی روایت کے مطابق مقدس رسول چار بھالوں سے زخمی ہو کر شہید ہوئے - لیکن جنوبی ہند کی کلیسیا کی روایت کے مطابق آپ نے ایک ہی بھالے سے شہادت کا درجہ حاصل کیا - یہی ایڈیسہ کی کلیسیا کی روایت ہے - یہی نسطوری نماز کی کتاب کہتی ہے اور یہی مغرب کی کلیسیا کی روایت ہے اور جب سولھویں صدی میں پرتگیز ہندوستان میں آئے انہوں نے یہی روایت سنی کہ مقدس توما رسول ایک ہی بھالے سے شہید کئے گئے تھے - پس جنوبی ہند کی روایت توما کے اعمال کی روایت سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے -

توما کے اعمال کی روایت ایک اور پہلو سے بھی غلط نظر آتی ہے - چنانچہ اس کے مطابق جب بادشاہ مزدیئی اپنے بیٹے کی شفا کی خاطر رسول کی مبارک ہڈیاں لینے گیا تو ان کو قبر میں نہ پایا - لیکن حقیقت یہ ہے کہ مقدس توما رسول کی ہڈیاں آپ کی شہادت کے سالہا سال بعد ایڈیسہ منتقل کی گئی تھیں -

اس میں ذرا شک نہیں کہ جنوبی ہندوستان کی روایت نہایت قدیم ہے اور اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جو مقدس توما کے اعمال کی کتاب میں درج ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ روایت کہاں تک قابل اعتبار ہے

لہذا ہم اس کے پایۂ صحت کو معلوم کرنے کے لئے ذیل کے امور پر غور کریں گے :۔

اوّل ۔ کیا جنوبی ہندوستان اُس خطۂ زمین میں شامل ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ رسول آئے تھے ؟

دوئم ۔ کیا جنوبی ہندوستان میں آمد و رفت کے وسائل موجود تھے اور غیر ممالک کے لوگ شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند کے ساتھ بھی تجارت وغیرہ کے تعلقات رکھتے تھے ؟

سوم ۔ کیا غیر ممالک کے مؤرخ جنوبی ہند کی روایت کی تصدیق کرتے ہیں ؟

فصل اوّل

جنوبی ہند کی روایت کا تاریخی پایہ

لفظ "ہندوستان" کا مطلب

اس امر میں اختلاف رہا ہے کہ لفظ "ہندوستان" سے کرۂ زمین کا کونسا حصّہ مراد ہے۔ یہ لفظ کتاب مقدس میں بھی وارد ہوا ہے (آستر ۱:۱) کیا کتاب مقدس اور "توما کے اعمال کی کتاب" کا "ہندوستان" وہی خطۂ زمین ہے جس کو دورِ حاضرہ میں ہندوستان کہتے ہیں ؟ پادری اوگلوی (Ogilvie) کہتے ہیں "اُس زمانہ میں لفظ ہندوستان سے مراد اُن تمام ممالک سے لی جاتی تھی جو بحرِ ہند کے ساحل پر تھے یعنی مشرقی افریقہ ۔ جنوبی عرب ۔ بلوچستان اور موجودہ ہندوستان پس جب

یہ کہا جاتا ہے کہ مقدس توما نے "ہندوستان" میں انجیل کی اشاعت کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے موجودہ ہندوستان میں ہی خدمت کا کام سرانجام دیا ہو"۔ (ص ۲۳)۔ پادری ملن رے صاحب (Milne Rae) کہتے ہیں "مقدس توما کے زمانہ میں لفظ ہندوستان بادشاہ گونڈوفرس کے علاقہ سے وسیع تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اُن دنوں میں دریائے سندھ اور ایران کی مشرقی حدود کے مابین کی سرزمین اور بحر ہند اور افغانستان کی شمالی حدود کے مابین کی سرزمین کو ہندوستان کہتے تھے۔ چندر گپت اور سلیوکس کے درمیان جو عہد نامہ ہوا تھا اس کے مطابق کوہ ہندوکش کا مشرقی اور مغربی سلسلہ ایران اور ہندوستان کی درمیانی حد تھی۔ چندر گپت کی حدود میں نہ صرف گنگا کی وسیع وادی اور ہندوستان کا شمال مغربی حصہ تھا بلکہ دریائے سندھ کے پار کابل افغانستان۔ بلوچستان اور دریائے سندھ کا دہانہ اور ڈیلٹا بھی تھا۔ جب پارتھیوں کی طاقت بڑھی تو دریائے سندھ کے مغرب کی جانب کا سارا ہندوستان ان کے قبضہ میں آگیا۔ مؤرخ پلینی (Pliny) بتلاتا ہے کہ بہت اشخاص دریائے سندھ کو ہندوستان کی مغربی حد شمار نہیں کرتے بلکہ اس میں بلوچستان۔ قندھار۔ ہرات اور کابل کے صوبہ جات کو بھی شامل کرتے ہیں۔" ص ۵۷-۵۸۔ ڈاکٹر فلیٹ (Fleet) کہتے ہیں[1] مسیحی روایت کے مطابق مقدس توما ہندوستان اور پارتھیا گئے تھے۔ لیکن لفظ "ہندوستان"

---

1. Article in Journal of the Royal Asiatic Society for April 1905.

سے ہم لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ اس سے مراد موجودہ ہندوستان ہے۔ قدیم مصنفوں کی اِس لفظ سے مراد وہ خطۂ زمین ہے جو اَب ایشیا کا تمام جنوب مشرقی حصّہ کوہ ہمالیہ کے جنوب میں واقعہ ہے۔ اگر کوہِ ہندوکش کے مرکز سے ایک لکیر سلسلۂ سلیمان کے مغرب سے ہوتی ہوئی بحرِ عرب تک کھینچی جائے تو اس لکیر کے مشرق کی جانب کا خطۂ زمین اور سندھ کے دہانوں کے مغرب کا خطہ "ہندوستان" میں شامل تھا۔ پس اس لفظ میں موجودہ ہندوستان برما۔ سیام۔ کوچین چائنا۔ جزیرہ نما ملایا۔ جزائر الہند اور افغانستان کا وہ حصّہ شامل تھا جو کابل اور پشاور کے درمیان ہے"۔

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ لفظ ہندوستان کا کوئی ایک مفہوم نہیں تھا بلکہ اس کا اطلاق مختلف ممالک پر ہوتا تھا لیکن بہر صورت یہ ظاہر ہے کہ کم از کم جنوبی ہندوستان کبھی بھی اُس خطۂ زمین سے باہر نہیں تھا جس کو "ہندوستان" کہتے تھے۔ پس اگرچہ مقدس توما کی روایت میں لفظ "جنوبی ہند" یا اس کے کسی خاص شہر کا ذکر نہیں ملتا بلکہ صرف "ہندوستان" کا ذکر ہے تاہم چونکہ اس کا مصنف تاریخی اور جغرافیائی امور کی جانب سے لاپرواہ تھا لہٰذا ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جنوبی ہندوستان اور اس کی حدود اُس خطۂ زمین میں شامل تھے جس کو ہندوستان کہا جاتا تھا۔

غیر ممالک اور جنوبی ہند میں آمد و رفت اور تجارت

ہم نے دوسرے باب میں ثابت کر دیا ہے کہ پنجاب اور غیر ممالک کے درمیان مقدّس توما کے زمانہ میں آمد و رفت اور تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھی یہاں تک کہ اس تجارت کی وجہ ہی سے غیر ممالک کی اقوام کے دندانِ حرص و آز تیز ہوتے تھے۔ اور

پنجاب پر پے در پے حملے ہوتے رہتے تھے۔ اس فصل میں ہمارے سامنے یہ سوال درپیش ہے کہ آیا پہلی صدی عیسوی میں جنوبی ہند اور غیر ممالک میں بھی آمد و رفت جاری تھی اور ایسے وسائل مہیا تھے کہ اگر مقدس توما رسول پنجاب سے سکوزرہ ہو کر سمندر کی راہ جنوبی ہند جانا چاہتے تو وہ بآسانی جا سکتے تھے؟

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ کتاب مقدس میں آستر کے پہلے باب میں ہندوستان کا ذکر آیا ہے لیکن ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس خاص مقام میں لفظ "ہندوستان" سے مراد موجودہ ہندوستان ہی ہے۔ لیکن سلاطین کی پہلی کتاب میں لکھا ہے: "سلیمان بادشاہ نے عصیون جبر (جو بحر قلزم کے سرے پر خلیج عقبہ پر واقع ہے) جہازوں کی بحر بنائی ... اور وہ اوفیر کو گئے" (۱ سلا ۹: ۲۶-۲۸) اوفیر جنوبی ہند کی ایک بندرگاہ تھی جو گوآ کے قریب واقع تھی۔ یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ اور یہودی مؤرخ یوسیفس Josephus دونوں اوفیر کا ترجمہ "سوفیر" کرتے ہیں۔ سوفارا شہر گوآ کے قریب ایک قدیم شہر تھا[1]۔ پھر لکھا ہے "اور حیرامی بحر پر جس پہ اوفیر کا سونا لاد کر لائے اُسی پر اوفیر سے چندن کے بہت سے درخت اور جواہر دھرے ہوئے آئے" (۱ سلا ۱۰: ۱۱)۔ سونا دکن میں اور خاص کر کوچین اور مالابار کے ساحل میں ہوتا تھا۔ گولکنڈہ کی کانیں جواہرات کے لئے ہمیشہ مشہور رہی ہیں۔ چندن کے درخت صرف مالابار ہی سے دستیاب

1. Dictionary of the Bible, Wm. Smith Vol. 2, article Ophir.

ہوتے تھے[1]۔ پھر لکھا ہے "تین برس میں ایک بار ترسیسی بحر آتی تھی۔ اور سونا اور روپا اور ہاتھی دانت اور مور اور بندر لاتی تھی"۔ (۱ سلا ۱۰: ۲۲)۔ اُس زمانہ میں ہندوستان سے آنے اور جانے میں موسمی ہواؤں اور سمندر کے چڑھاؤ اُتار اور مد و جزر کی وجہ سے جہازوں کو تین سال کی مدت درکار تھی[2]۔ علاوہ ازیں کتاب مقدس میں "ہاتھی دانت۔ مور اور بندر" کے لئے جو الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ وہ عبرانی الفاظ نہیں ہیں[3]۔ عبرانی متن میں لفظ "ہب" ہاتھی دانت کے لئے آیا ہے۔ یہ لفظ سنسکرت میں "ہبہ" ہے۔ بندر کے لئے لفظ "کپ" آیا ہے جو سنسکرت اور ملے آلم زبانوں میں "کپی" ہے۔ چنانچہ ٹراونکور میں ایک مقام کا نام "کپی اُر" ہے۔ کیونکہ وہاں کی پہاڑیوں میں بندر کثرت سے ہوتے ہیں اور پہلے زمانہ میں وہاں سے بندر غیر ممالک کو بھیجے جاتے تھے۔ یہ دونوں لفظ آرین (Aryan) زبان کے ہیں۔ لیکن تیسرا لفظ "تکی" جو مور کے لئے عبرانی متن میں آیا ہے وہ تامل زبان کا لفظ "ٹوکی" ہے۔ اور ڈریوڈین زبان (Dravidian) کا ہے۔ جو آرین لوگوں کی آمد سے پہلے جنوبی ہند میں مستعمل ہوتی تھی۔ اگر مور شمالی

1. Hough, Hist. of Christianity in India. Vol. i
2. Richards, Ind. Christians of S. Thomas Ch. 9 & 13
3. Ibid Ch. 9 & 13

ہندوستان سے کنعان جاتے تو اس کے لئے سنسکرت زبان کا لفظ استعمال کیا جاتا اور اگر وہ لنکا سے جاتے تو پالی نام استعمال کیا جاتا لیکن تامل نام ثابت کرتا ہے کہ سلیمان کے زمانہ میں جہاز جنوبی ہند آیا جایا کرتے تھے۔

اوفیر یا سوفیر یا "سوپارا" پہلے زمانہ میں اپرانتا سلطنت کا صدر مقام تھا اور یہ مقام ایک بڑی مشہور بندرگاہ تھا اور اب برہمنوں، جینیوں اور بدھ مت والوں کا متبرک مقام ہے۔ پس جنوبی ہند اور غیر ممالک میں آمد و رفت اور تجارت کا سلسلہ خداوند مسیح سے صدیوں پہلے تھا۔

پہلی صدی عیسوی میں قدیم دُنیا کی سب سے بڑی تین سلطنتوں یعنے چین، پارتھیا اور روم کی سلطنتوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں جس کی وجہ سے باہمی رقابت کے باوجود ان میں تجارت کے تعلقات نہایت اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر موجود تھے۔ چین اور ہندوستان کی اشیاء پارتھیا اور رومی سلطنتوں کے کونہ کونہ میں فروخت ہوتی تھیں۔

باب دوم میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ پہلی صدی عیسوی اور اُس سے پہلے سلطنت روم کی منڈیوں اور جنوبی ہند میں وسیع پیمانہ پر تجارت کی جاتی تھی۔ چنانچہ جنوبی ہند میں بے شمار رومی سکے اب بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ سکے تانبے۔ چاندی اور سونے کے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں مدراس کے صوبہ کے متعدد اضلاع مثلاً نیلور۔ کوئمباتور۔ سالم۔ مدورا اور مالابار میں ملے ہیں۔ اور مدراس کے عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ جن پر قیصر اگسطس سے لے کر قیصر ہیڈرین تک کے قیاصرہ کی مورتیں ہیں۔

تجارت کی وجہ سے اہل یہود کی ساحل مالابار پر ایک بستی تھی۔ ان میں روایت ہے کہ بادشاہ خورس کی غلامی سے بچنے کی خاطر ان کے آباؤ اجداد

چھٹی صدی قبل از مسیح جنوبی ہند بھاگ آئے تھے۔ سر ولیم ہنٹر (Sir William Hunter)[1] کے خیال میں اہل یہود دوسری صدی مسیحی سے بہت پہلے جنوبی ہند میں آباد تھے۔ کوچین کی ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مصنف کے مطابق اہل یہود مالابار میں کم از کم پہلی صدی عیسوی سے آباد ہیں۔

۴۵ء کے قریب یونانی کپتان ہپالس نے جیسا باب دوم میں ذکر کیا گیا ہے خلیج عرب سے سیدھا بحیرہ ہند کو عبور کیا اور جنوبی ہند کے مغربی ساحل کی بندرگاہ مزیرس میں داخل ہو گیا۔ یہ وہی بندرگاہ ہے جہاں جنوبی ہند کی روایت کے مطابق مقدس توما نے اپنا مبارک قدم رکھا تھا۔

غیر ممالک کے مصنفین اور جنوبی ہند کی روایت

کیا غیر ممالک کے مصنفین اور سیاح اپنی کتابوں میں جنوبی ہند کی روایت کا یا مقدس توما کا یا جنوبی ہند کی کلیسیا کا ذکر کرتے ہیں؟

شہنشاہ کانسٹن ٹائن نے ۳۵۴ء کے قریب تھیوفلس ہندی کے ماتحت صابئین اور جنوبی عرب۔ ابی سینیا۔ لنکا اور ہندوستان کی جانب ایک مشن روانہ کیا۔ مؤرخ کہتا ہے کہ "مالدیو سے وہ ہندوستان کے دیگر حصوں میں گیا اور اُن امور کی اصلاح کی جو اُن میں درستی سے نہیں کئے جاتے تھے۔ کیونکہ جب انجیل شریف پڑھی جاتی تھی تو وہ بیٹھے رہتے تھے۔ اور علیٰ ہٰذالقیاس دوسری باتیں کرتے تھے جو الٰہی شرع کے خلاف تھیں اس نے سب باتوں کو مقدس رسم کے مطابق درست کیا جو خُدا کے نزدیک مقبول ہے۔ اور کلیسیائی تعلیم کو بھی اس نے مستحکم کیا"۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں ایمان داروں کی باقاعدہ جماعت تھی اور عبادتیں باقاعدہ ہوتی تھیں

1. Hunter, History of British India.

جن میں انجیل جلیل پڑھی جاتی تھی اور خادمان دین بھی تھے لیکن خلاف قاعدہ انجیل پڑھتے وقت جماعت بیٹھی رہتی تھی اور یہ بات "رسولی ضابطہ" (Apostolic Constitution) کے خلاف تھی جس میں واضح طور پر ہدایت ہے کہ "جب انجیل پڑھی جائے تمام پریسبٹر، ڈیکن اور سب جماعت کے لوگ خاموش کھڑے رہیں" رومی بشپ ڈاکٹر میڈلی کاٹ کہتا ہے کہ مالابار اور مالدیو کے درمیان سمندری فاصلہ بہت کم ہے لہذا مالابار کا علاقہ "ہندوستان کے دوسرے حصوں" میں ضرور شامل ہوگا اور تھیوفلس وہاں گیا ہوگا۔ مسٹر ونسنٹ سمتھ اپنی تاریخ میں ڈاکٹر میڈلی کاٹ کی تائید کرکے لکھتے ہیں [1]۔ "میرے خیال میں ڈاکٹر میڈلی کاٹ صحیح کہتے ہیں۔ کہ تھیوفلس علاقہ مالابار میں گیا تھا اور وہاں اس نے مسیحی کلیسیا پائی تھی۔ . . . ہندوستان اور لنکا کی تاریخی روایات کو جب ہم یکجا کرتے ہیں تو ہم کو تیسری صدی مسیحی میں مالابار میں مسیحی کلیسیا کے وجود کی شہادت ملتی ہے۔"

نزی ایزم کا مقدس گریگوری (Gregory of Nazianzus) [2] چوتھی صدی میں مقدس توما کا تعلق ہندوستان سے بتلاتا ہے

1. Vincent Smith, Early History of India, (1914). Appendix M.
2. Homil. XXXIII. Contra Arianos Ch. 11.)

مقدس ایمبروز بھی جو چوتھی صدی میں میلان کا بشپ تھا۔
(Ambrose) بتلاتا ہے کہ مقدس توما نے ہندوستان میں
تبلیغ کی۔ مقدس جیروم (Jerome) لکھتا ہے "خداوند مسیح
ہندوستان میں توما کے ساتھ تھا جس طرح وہ روم میں پطرس کے ساتھ
اور دیگر ممالک میں دوسرے رسولوں کے ساتھ تھا"۔

ٹور کا بشپ مقدس گریگوری (تاریخ وفات ۵۹۴ء)
(Gregory of Tours) لکھتا ہے "توما رسول ہندوستان
میں شہید کئے گئے۔ عرصہ دراز کے بعد آپ کی مبارک لاش ملک شام کے
شہر ایڈیسہ میں لے جائی گئی اور وہاں دفن کی گئی۔ ہندوستان کے جس
مقام میں آپ کی لاش نے پہلے آرام کیا وہاں ایک خانقاہ ہے اور ایک
گرجا ہے جس کا طول و عرض بہت بڑا ہے اور سجا ہوا ہے۔ یہ بات ہم
سے تھیوڈور نے بیان کی جو خود اس مقام کو دیکھ آیا ہے۔" (اگرچہ مقدس
گریگوری نے مقام کا نام اور جغرافیائی پتہ نہیں بتلایا جس کی وجہ سے
اس کی تاریخی شہادت کا رتبہ کم ہو جاتا ہے) تاہم اس سے کم از کم یہ ثابت
ہو جاتا ہے کہ چھٹی صدی مسیحی میں مغرب کی کلیسیا کے ایک سیاح نے یہ
بیان کیا تھا کہ مقدس توما ہندوستان میں شہید ہوئے اور پہلے پہل مقامِ
شہادت میں دفن کئے گئے اور آپ کے مزار مبارک پر ایک وسیع گرجا
گھر تھا اور نزدیک ہی ایک خانقاہ تھی جہاں مسیحی راہب رہتے تھے۔
اور گرجا گھر میں عبادت کی جاتی تھی اور پھر عرصہ دراز کے بعد مقدس توما
رسول کا جسم ایڈیسہ میں مدفون ہوا۔ پس تھیوڈور کا بیان جنوبی ہند کی
روایت کی تائید اور تصدیق کرتا ہے۔

جب انگلستان کے بادشاہ الیفرڈ اعظم (Alfred the Great)[1] کو ڈنمارک کے بُت پرست حملہ آوروں نے لندن میں محصور کر لیا تو اس نے مَنت مانی کہ اگر خدا مجھ کو رہائی دیگا تو میں روم اور ہندوستان میں مقدس توما کو خیرات بھیجونگا۔ پس جب اس نے فتح حاصل کی تو ۸۸۳ء میں اس نے بشپ سیگلی نس کے ہاتھ (Sigelinus) ہندوستان کو خیرات روانہ کی۔ گو اس تاریخی واقعہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ خیرات خاص مائلاپور بھیجی گئی تھی تاہم کم ازکم یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نویں صدی میں کلیسیائے انگلستان کے خیال کے مطابق مقدس توما کا تعلق ہندوستان سے تھا اور کہ ہندوستان میں کلیسیا قائم تھی جو مقدس توما رسول کے نام سے موسوم تھی۔

تیرھویں صدی مسیحی میں ہم کو اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ مائلاپور مقدس توما کی شہادت کا مقام تھا۔

اٹلی کا سیاح مارکوپولو (Marco Polo)[2] پہلے ۱۲۸۸ء میں اور پھر ۱۲۹۲ء میں ہندوستان آیا تھا۔ وہ ساحل کورومنڈل میں آیا اور وہاں اس نے مقدس توما رسول کا مزار دیکھا۔ اس کے بیان سے یہ بات تاریخی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تیرھویں صدی میں ہندوستان کے مسیحی اس بات کو مانتے تھے کہ مائلاپور مقدس توما رسول کی جائے شہادت ہے اور آپ کا مزار مبارک بھی اسی مقام پر ہے۔

1. E. A. Freeman, Old Eng. History p. 131.
2. The Book of Marco Polo, ed. Sir Henry Yule, Vol. 2. Bk. 3. Ch. 18

مارکوپولو پرتگیزوں کی آمد سے قریباً دو صدیاں پہلے آیا تھا۔ لہذا اس کی گواہی بہت وقعت رکھتی ہے۔ اسی طرح مانٹی کور وینو کا جان (John of Monte Corvino) ۱۲۹۳ء میں پادری اوڈورک (Friar Odoric) ۱۳۲۵ء میں۔ جان ڈی مارگ نولی (John de Marignolli) ۱۳۴۹ء اور نکولو کونٹی (Nicolo Conti) ۱۴۴۰ء میں مقدس توما کے مزار کا یا گرجا گھر کا ذکر کرتے ہیں

سطور بالا میں مغربی سیاحوں کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن سُریانی کلیسیا کے مسیحی سیاح مصنف اور مؤرخ بھی مقدس توما کی شہادت اور مزار کا اور وہاں کے گرجا گھر اور خانقاہ کا ذکر کرتے ہیں[1]۔ چنانچہ مسیحی عرب مؤرخ عمر مقدس توما کی نسبت ۱۳۴۰ء میں کہتا ہے "آپ کی قبر ہندوستان میں مائلا پور کے مقام پر قربان گاہ کے دائیں ہاتھ آپ کی خانقاہ میں واقع ہے۔" خانقاہ کے لئے عمر لفظ "دیر" استعمال کرتا ہے۔

پرتگیزوں کی آمد کے وقت لیکن نسطوری کلیسیا کی آویزش سے پہلے ۱۵۰۳ء میں مار الیاس نے چار اسقف ہندوستان بھیجے تا کہ وہاں کی کلیسیا کے حالات کی رپورٹ دیں۔ ان کی رپورٹ میں لکھا ہے[2]۔ "ہم آپ جیسے مستجاب الدعوات بزرگ کی دُعاؤں سے بخیریت تمام ہندوستان پہنچ گئے ہیں۔ اس جگہ مسیحیوں کے تقریباً تیس ہزار خاندان ہیں جو حضور کی

---

1. Mingana, Early Spread of Christianity in India. p. 23.
2. Ibid. pp. 38-9.

درازئ عمر کے لئے دست بدعا رہتے ہیں۔ . . . مقدس توما رسول کی خانقاہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اب بعض مسیحی اس میں پھر آباد ہو گئے ہیں۔ وہ مقام یہاں سے فاصلہ پر ہے اور پچیس دن کا راستہ ہے ساحلِ سمندر پر مائلا پور میں واقع ہے۔"

پس تاریخی قرائن جنوبی ہند کی روایت کی (جس کے رد کرنے کے لئے محض انکار سے زیادہ زبردست دلیل کی ضرورت ہے) حمایت اور تصدیق کرتے ہیں کہ مقدس توما رسول مدراس کے قریب مقام مائلا پور میں شہید کئے گئے تھے اور آپ کا مزار وہاں پر ہے۔ بالخصوص ہمیں اس بات کو مدِنظر رکھنا چاہئے کہ کسی اور مُلک یا شہر نے کبھی یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ مقدس توما رسول کی جائے شہادت اور مزار اُس کے درمیان ہے۔ جہاں تک ہم کو علم ہے کوئی ایسی روایت موجود نہیں جس کے مطابق پنجاب یا شمالی ہندوستان یا افغانستان یا بلوچستان۔ ایران یا عرب وغیرہ ممالک (جن پر کسی زمانہ میں لفظ "ہندوستان" کا اطلاق کیا جاتا تھا) کی کلیسیاؤں نے کبھی یہ دعوےٰ کیا ہو کہ مقدس توما نے ہمارے ملک میں تاجِ شہادت حاصل کیا تھا۔ اور ان کا مزارِ مبارک ہمارے مُلک میں ہے۔ جب ہم اس بات کو بنظرِ تعمق دیکھ کر اس نفی کی شہادت کو مناسب وقعت دیتے ہیں اور مشرق و مغرب کی کلیسیائی روایات تاریخی قرائن اور تاریخی شہادت پر غور کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مقدس توما فی الواقع جنوبی ہند تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے کلیسیائیں قائم کیں اور وہیں آپ نے جامِ شہادت پیا۔ (مقابلہ کرو متی ۲۰: ۲۳) اور آپ کا مزارِ مبارک جس میں پہلے پہل آپ کی لاش دفن کی گئی جنوبی ہند میں ہی ہے۔

مقدس توما کی جنوبی ہند میں آمد

قرائن سے معلوم ہوتا ہے
کہ مقدس توما رسول کے ٹیکسلا پہنچنے کے چند سال بعد جب بادشاہ
گونڈوفرس مرگیا اور قوم کشان نے سر اُٹھایا اور کوہ ہندوکش پر چڑھ
آئے اور اُنہوں نے پنجاب کا رُخ کیا تو ٹیکسلا کے صوبہ میں کھلبلی مچ گئی۔[1]
اس شورش میں ہر شخص اپنی جان و مال کو بچانے کی فکر میں سرگرداں تھا
تا کہ کشانوں کے ٹیکسلا فتح کرنے سے پہلے وہ کہیں بھاگ جائے۔ اندریں
حالات انجیل جلیل کی منادی اور مقدس توما رسول کی خدمت گزاری کا کام روز
بہ روز مشکل بلکہ ناممکن ہوتا گیا کیونکہ ٹیکسلا والوں کی پریشانی کشانوں
کی فتوحات کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی۔ ٹیکسلا کی کلیسیا نے رسول کی
منت کی کہ وہ کسی اور جگہ چلے جائیں۔ مقدس رسول کو ٹیکسلا سے جانا اور
اپنی کلیسیا سے جُدا ہونا گوارا نہ تھا۔ آپ کو اپنی بھیڑوں کے ساتھ خداوند
کی خاطر مرنا زیادہ مرغوب تھا (مقابلہ یوحنا ۱۱: ۱۶ و ۱۰: ۱۲ وغیرہ) لیکن آپ
کے آقا اور مالک کا حکم بھی آپ کے پیش نظر تھا۔ "جب تم کو ایک شہر میں
ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ۔" (متی ۱۰: ۲۳) خود خداوند کا مبارک نمونہ
بھی آپ کے لئے شمع ہدایت تھا (متی ۱۲: ۱۵۔ یوحنا ۱۰: ۳۹ + ۸: ۵۹۔
لوقا ۴: ۳۰ وغیرہ) آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ابتری اور پراگندگی میں الٰہی
انتظام کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور جب روح القدس کے نزول کے بعد یروشلیم

1. Dr Farquhar, Apostle Thomas in S. India pp 4-6 also Waryam Singh & Sant-Singh, History of India, p. 224.

کی کلیسیا کے شرکاء ایذاؤں کی وجہ سے پراگندہ ہوکر مختلف ممالک میں بھاگ گئے تھے تو وہ جابجا نجات کا پیغام سناتے گئے تھے اور یوں شہر بشہر کلیسیا پھیل گئی تھی۔ (اعمال ۸: ۱ و ۴ + ۹: ۲۵ و ۳۰ + ۱۱: ۱۹ + ۱۴: ۶ و ۷ وغیرہ)

پس جب حبان سوداگر اور ٹیکسلا کی کلیسیا کے خورد و کلاں نے آپ کی منت کی تو آپ نے خیال کیا کہ اس میں بھی خدا کا ہاتھ ہے اور خدا آپ کو ہندوستان کے دیگر شہروں میں انجیل جلیل کی اشاعت کے لئے بلا رہا ہے۔ دعا کے بعد آپ نے اُن کی صلاح اور مشورت کو قبول فرمایا جس طرح مقدس پولوس نے بھائیوں کے مشورہ پر عمل کیا تھا (اعمال ۱۷: ۱۰ و ۱۴ وغیرہ) اور آپ ٹیکسلا کو چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ توما کے اعمال میں لکھا ہے کہ شاہ گنڈافورس کے علاقہ سے رخصت ہونے سے پہلے مقدس رسول نے کلیسیا کو جمع کیا۔ آپ نے زینتھپس (Xanthippus Xenophon) پر ہاتھ رکھ کر اس کا اور دیگر ڈیکنوں کا تقرر فرمایا۔ اور کلیسیا کو اُس کے حوالے کر کے سب کو خدا کے سپرد کیا۔

مقدس توما رسول نے کلیسیا کے سر برآوردہ شرکاء کو بلایا تاکہ ان سے صلاح کریں کہ ریاست ٹیکسلا سے کس شہر کو جائیں۔ سب نے عرض کی کہ دشمن سر پر آ کھڑا ہے اور سکدی پارتھی سلطنت کا کوئی کونہ محفوظ نہیں ہے۔ موجودہ حکمران اس قابل نہیں ہے کہ کشانوں کو مغلوب کر سکے اور قیاس یہی چاہتا ہے کہ جس طرح قندھار، کابل اور افغانستان کے صوبے پائمال ہو گئے ہیں پنجاب اور سندھ کی وادی بھی تباہ و برباد ہو جائیگی۔ آپ پنجاب اور شمالی ہند کے کسی قصبہ میں تشریف نہ لے جائیں بلکہ جنوبی ہند کی طرف رُخ کریں۔ وہاں آپ سکونِ قلب سے انجیل جلیل کا پیغام سُنا سکیں گے۔ تمام حصہ میں ایک ہی

تامل زبان بولی جاتی ہے[1]۔ مغربی ساحل پر تجارت کرنے کی خاطر یونانی رومی مصری ۔عربی تاجر مزبرس کی بندرگاہ میں آتے ہیں ۔اہل یہود کی بستیاں بھی وہاں جابجا موجود ہیں ۔غیر ممالک کے لوگ زیادہ تر یونانی بولتے ہیں اور باقی ارامی بولتے ہیں ۔آپ پہلے مزبرس میں قیام فرمائیں اور غیر ہنود میں کام کریں ۔ اور اس اثنا میں آپ کو تامل زبان سیکھنے اور بولنے کی کافی مہارت ہو جائیگی ۔تب آپ جنوبی ہند کے باقی شہروں میں منجئ عالمین کا پیغام دے سکینگے ۔ یہاں ٹیکسلا کی یونیورسٹی میں آپ جنوبی ہند کے چند ایک برہمنوں سے ملے بھی ہیں ۔اور ان کے عقائد سے واقف بھی ہیں ۔ آپ سے پہلے راجہ اشوک نے بدھ مت کے مبلغین کو شمالی ہند سے جنوبی ہند چولا کی بادشاہی (ترچناپلی ۔تنجور) اور پانڈیا (مدورا اور ٹناولی) ستیا پترا (شمالی مالابار) اور کیرالا پترا (جنوبی مالابار اور شمالی ٹراونکور) کی بادشاہتوں میں بھیجے تھے[2] اور اُن مبلغین کو کامیابی حاصل ہوئی تھی پس بدھ مت کے لوگ بھی اُن علاقوں میں موجود ہیں ۔اور آپ اس مذہب سے بخوبی واقف ہیں ۔غرض جنوبی ہند میں کھیت تیار ہے منجئ عالمین آپ کو فصل کاٹنے کے لئے بلا رہے ہیں آپ جنوبی ہندوستان کا رُخ کریں ۔

حبان نے عرض کی کہ جنوبی ہند کو جانے کے دو راستے ہیں ۔آپ خشکی کی راہ

1. Farquhar, Apostle Thomas in S. India pp. 6-7
2. Indian Review. Dec, 1943. Art. St. Thomas in India.

پنجاب سے کوہ بندھیاچل کے سلسلہ کو عبور کر کے مالابار پہنچ سکتے ہیں لیکن یہ راستہ چوروں اور رہزنوں کی وجہ سے محفوظ نہیں ہے اور دشوار گذار بھی ہے ۔ اور آپ جسم کی کمزوری کے باعث اس سفر کی صعوبتوں کی برداشت نہیں کر سکتے ۔ دوسرا راستہ دریا اور سمندر کا ہے جو اگرچہ لمبا ہے لیکن اس قدر تکلیف دِہ نہیں ہے اور ابھی تک کُشانوں کی زد سے محفوظ ہے ۔ آپ یہاں سے اٹک اور اٹک سے کشتی کے ذریعہ دریائے سندھ کے جنوبی ڈلٹا کی بندرگاہ ٹھٹہ تشریف لے جائیں اور وہاں سے براہِ سمندر مغربی ساحل کی بندرگاہ مُزِبرِس میں بآسانی تمام پہنچ جائینگے ۔

مقدّس توما نے تری کی راہ سے سفر کرنا پسند فرمایا ۔ ٹیکسلا کی کلیسیا کو آپ نے الوداع کہا اور سب لوگ رسول کی جُدائی پر زار زار روئے ۔ اور رسول کے گلے لگ کر اُنھوں نے آپ کو خُدا کے سپرد کیا ۔

مقدّس توما رسول کی سکوترہ میں خدمت

مقدّس توما بخیریت تمام ٹیکسلا سے اٹک اور اٹک سے ٹھٹہ پہنچ گئے ۔ یہ قریباً ۵۱ء کا واقعہ ہے ۔ ٹھٹہ پہنچ کر آپ کو بتلایا گیا کہ وہاں کوئی جہاز ایسا نہیں جو سیدھا مُزِیرِس کو فوراً جانے والا ہو اور ایسے جہاز کے لئے آپ کو ایک نامعلوم عرصے تک انتظار کرنا پڑیگا لیکن چند دنوں کے اندر سکندریہ کا ایک جہاز ٹھٹہ سے واپس جانے والا ہے ۔ اور وہ سکوترہ ٹھہریگا ۔ اگر آپ اس جہاز پر روانہ ہو جائیں تو دو تین ماہ کے بعد وہاں سے مُزِیرِس کسی جہاز پر جا سکینگے ۔

سکوترہ خلیج عدن کے باہر افریقی ساحل پر واقع ہے ۔ پہلی صدی عیسوی میں اس جزیرہ میں یونانیوں ۔ عربوں ۔ شامیوں اور ہندوستانیوں

کی اچھی خاصی آبادی تھی۔ مقدس توما نے چند ماہ یہاں قیام فرمایا۔
مسیح کے رسولوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ انجیل کا پیغام دیئے بغیر رہ سکیں۔
"وہ یونانیوں اور غیر یونانیوں۔ داناؤں اور نادانوں سب کے قرضدار" تھے۔
"مسیح کی محبت اُن کو مجبور کرتی تھی"۔ پس مقدس توما رسول نے یونانی زبان
میں انجیل جلیل کا نجات بخش پیغام سب کو سُنایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ
وہاں ایک کلیسیا قائم ہو گئی جو روز افزوں ترقی کرتی گئی چنانچہ تھیو فلس
جو ہندی تھا (جس کا ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں) سنہ ۳۵۴ء میں کہتا ہے۔ کہ
سکوترہ میں "کلیسیائی عبادتوں میں سُریانی زبان مستعمل ہوتی ہے"۔ سنہ ۴۱۰ء
میں سکوترہ ایک بشپ کا صدر مقام تھا۔ نویں صدی کے عرب سیاح
ہم کو بتلاتے ہیں کہ سکوترہ کے باشندگان کی اکثریت مسیحیوں کی ہے۔
عرب جغرافیہ دان ابوالفدا کہتا ہے[1] کہ سکوترہ کا جزیرہ طول میں (سنہ [illegible]) اسّی
فرسنگ ہے۔ اور اس کے باشندے نسطوری مسیحی ہیں۔ سنہ ۱۲۸۸ء میں
مارکو پولو کہتا ہے "سکوترہ کے باشندے سب بپتسمہ یافتہ مسیحی ہیں
اور ان کا ایک صدر اسقف ہے۔ جس کا پوپ روم سے کوئی تعلق نہیں
بلکہ وہ بغداد کے بطریق کے ماتحت ہے"۔ سنہ ۱۴۴۰ء میں نکولو کونٹی لکھتا ہے
"سکوترہ کا رقبہ چھ سو میل ہے اور اُس کی آبادی کی اکثریت نسطوری مسیحیوں
کی ہے"۔ مقدس فرانسس زیویر (Francis Xavier) بتلاتے ہیں کہ
ان کے زمانہ کے مسیحی دعوے کرتے تھے کہ مقدس توما رسول کے ذریعہ ان کے

1. Mingana, Early Spread of Christianity in India. pp. 27, 62, 30-31.

آباؤ اجداد مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے۔

آخر وہ وقت آگیا جس کا مقدس رسول کئی ماہ سے انتظار فرما رہے تھے۔ ایک جہاز مصر کی جانب سے سُکوترہ کی بندرگاہ میں داخل ہؤا جو جنوبی ہند کو جا رہا تھا۔ مقدس توما نے جزیرہ کی "چھوٹی جھُنڈ" کو خُدا کے سپرُد کیا اور جہاز پر سوار ہو کر مُزیرس کی عظیم الشان بندرگاہ میں جا پہنچے جس کو دَورِ حاضرہ میں کرنگانور کہتے ہیں۔

فصل دوم

جنوبی ہندوستان میں انجیل جلیل کی اشاعت

پہلی صدی میں جنوبی ہند کی مذہبی حالت

جنوبی ہندوستان کے قدیم باشندوں کا مذہب ارواحِ بد کی پُوجا تھا۔ وہ اُن ارواح کی بھی پُوجا کرتے تھے جو درختوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ مابعد کے زمانہ میں وہ لنگ کی پُوجا اور سانپوں کی پُوجا بھی کرنے لگ گئے تھے۔

ساتویں صدی قبل مسیح برہمنوں نے شمالی ہند سے جنوب کی طرف نقل مکانی کی۔ اُنہوں نے یہاں آکر آریہ مذہب کو جاری کیا جو آہستہ آہستہ یہاں تک فروغ پا گیا کہ تمام جنوبی ہند میں پھیل گیا۔ ذات پات اور دیگر سماجی رسوم ایک نظام میں منظم کی گئیں۔ چونکہ ان برہمنوں کی اخلاقی زندگی نہایت اعلیٰ قسم کی تھی لہذا ان کا اقتدار اور رسوخ روز بہ روز بڑھتا گیا اور وہ اور ان کا مذہب دونوں زور پکڑتے گئے۔ پہلی

صدی مسیحی میں تامل لوگ کرشن۔ بالادیو۔ واسودیو اور اندر کی ہر جگہ پرستش کرتے تھے۔ پانڈیا اور چولا کی ریاستوں کے راجہ برہمنوں کی مدد سے قربانیاں گذرانتے تھے۔ پانڈیا کے راجہ اس زمانہ میں اس قدر طاقتور تھے کہ پانڈیا کے راجہ کا سفیر رومی قیصر اگسٹس کے دربار میں گیا تھا۔ اس سے ہم برہمنوں کے مذہب اور اقتدار کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

جین اور بدھ مت کے پیرو برہمنوں کے مذہب پر حملے کرتے تھے۔ چندر گپت کے زمانہ سے پہلے جینی مذہب کے ماننے والے جنوبی ہند میں بود و باش کرتے تھے۔ اور ان کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جاتی تھی۔ پہلی صدی عیسوی میں جینی مذہب جنوبی ہند میں زور پکڑ گیا تھا۔ بدھ مت بھی راجہ اشوک سے پہلے جنوبی ہند میں آیا تھا لیکن راجہ اشوک کے زمانہ میں اس کو بڑا فروغ حاصل ہو گیا اور یہ مت بھی طاقتور ہو گیا تھا۔ چنانچہ پہلی صدی عیسوی میں ناگا پٹنم اور کنجیورم بدھ مت کے دو بڑے اور زبردست گڑھ تھے۔

ہندو مذہب نے بدھ مت اور جین مت کو دبانے کی خاطر بھگتی کا مسلک شروع کر دیا اور شیو اور وشنو کی بھگتی ہونے لگی۔ شیومت والوں نے شیو کو کریمانہ صفات سے متصف کر کے اس کو سب سے بڑا دیوتا اور پرمیشور بنا دیا۔ اس مذہب کے پیشوا نہایت روحانی مزاج کے شخص اور زبردست شخصیتوں کے مالک تھے وہ تمام ملک میں جا بجا پھرتے تھے اور عوام کو اپنا ہم خیال اور ہم مذہب بناتے تھے۔ وشنو کے پرستاروں نے بھی بھگتی کا مسلک اختیار کر لیا یہاں تک کہ بھگتی کے گیتوں نے عامۃ الناس کے دلوں کو مسخر کر رکھا تھا۔

ان کے علاوہ عرب کے مذاہب۔ یہود۔ یونانی۔ ایرانی۔ شامی۔ مصری۔ رومی مذاہب کے افراد اپنے مذاہب کے عقاید اور رسوم کا پرچار کرتے تھے مختصراً جنوبی ہند کی یہ مذہبی حالت تھی جو مقدس توما رسول کی آمد کے وقت پائی جاتی تھی۔

ساحل مالابار میں مقدس توما کی خدمت

مقدس توما کے زمانے میں چیرا کی ریاست مالابار کے موجودہ ضلع کوئمبتور کے ایک حصے اور کوچین اور ٹراونکور کی موجودہ ریاستوں پر مشتمل تھی۔ اس ریاست کی بندرگاہ مزیرس اُس زمانہ کی بڑی بندرگاہوں میں شمار ہوتی تھی۔ جب مقدس توما رسول مُزیرس میں وارد ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ ایک عظیم الشان بندرگاہ ہے۔ جہاں مختلف ممالک و اقوام کے لوگ جنوبی ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کی غرض سے آتے جاتے اور بُود و باش کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ شہر گویا سکندریہ کا نمونہ تھا۔ یہاں تامل ہندوؤں کی کثیر آبادی کے علاوہ بدھ۔ عرب۔ یہودی۔ یونانی۔ ایرانی۔ شامی۔ مصری۔ رومی اور بحرِ متوسط کے ساحلوں کے مختلف ممالک کے افراد پائے جاتے تھے۔ پس رسول مقبول نے اس بین الاقوامی تجارتی شہر میں منجیٔ عالمین کی نجات کا پیغام سنانا شروع کر دیا۔ انجیل جلیل کی اشاعت کے لحاظ سے یہ شہر ایک زرخیز کھیت اور نہایت اہم مقام اور موزوں مرکز تھا جہاں مقدس رسول کو یہ امید تھی کہ جس طرح آپ کو صوبۂ ٹیکسلا اور شکوترہ میں پھل ملا تھا یہاں بھی ویسا ہی پھل ملیگا۔ پس آپ نے خدا سے دُعا کر کے اور اس سے توفیق اور فضل حاصل کر کے پہلے یہودیوں میں اور اُن لوگوں میں جو یونانی زبان جانتے تھے انجیل جلیل کی خدمتگزاری

ساحل مالابار پر مقدس توما رسول کی قائم کردہ سات کلیساؤں کے مقامات (صفحہ ۱۰۸)

کا کام شروع کر دیا اور ساتھ ہی اہل ہنود کے مذاہب فلسفہ اور رسوم
اور تامل زبان سے گہری واقفیّت حاصل کرنی شروع کر دی۔ تاکہ خُدا کے کلام
کو زیادہ مؤثّر طور پر سنا سکیں۔ آپ نے سنسکرت دانوں۔ پنڈتوں۔
ہندو فلاسفہ اور نام بونزی برہمنوں وغیرہ سے راہ و رسم پیدا کر لی تاکہ ان
کو خداوند مسیح کے قدموں میں لا سکیں۔

منجئ عالمین کا یہ جوشیلا رسول (یوحنا ۱۱: ۱۶) جس جگہ گیا کامیاب
ہوُا۔ مزیرس اور اس کے گرد و نواح کے دیہات اور قصبات میں جا بجا
ایمان داروں کی جماعتیں اور کلیسیائیں قائم ہو گئیں۔ آپ ایک جگہ سے
دوسری جگہ تشریف لے جاتے۔ تبلیغ کا کام کرتے اور جہاں آپ کی تبلیغی
مساعی کی بدولت کلیسیائیں قائم ہو جائیں مقدس پولوس کی طرح ان مقامات
بار بار دورہ کرتے اور نو مریدوں کے استحکام اور تقویت کا باعث ہوتے
تھے۔ آپ کی دن رات کی شاقہ محنت اور سخت مشقّت کا یہ نتیجہ ہوُا کہ
جنوبی ہندوستان کے مغربی ساحل پر روائیت کے مطابق سات زبردست
اور زندہ جوشیلی کلیسیائیں قائم ہو گئیں[1]۔ ان مقامات کے نام شمال سے
جنوب کی جانب، یہ ہیں:۔ (۱) پالوُر (۲) کرنگانور (یعنی مزیرس) جس کو
ڈچ لوگوں نے تباہ کر دیا ہے (۳) پرُوُور (۴) کوٹ منگالم (۵) چائیل۔
(۶) زرنم (۷) کوئلون۔ پہلے مقام یعنی پالوُر سے لے کر آخری مقام کوئلون
تک ایک سو تیس میل کا فاصلہ ہے اور سوائے نمبر ۵ یعنی چائیل کے
سب کے سب مقامات یا تو ساحل پر واقع ہیں اور یا ساحل کے
نزدیک واقع ہیں۔ مُزیرس یا کرنگانور ریاست کیرالا کی سب سے

[1] راقم الحروف کو ان مقامات میں سے چند ایک کی زیارت کرنے کا شرف جنوری سنہ ۱۹۴۲ء میں ہوا تھا

بڑی بندرگاہ تھی اور زنرنم ریاست پانڈیا کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ کوئلون تا ہنوز ایک بڑی بندرگاہ ہے۔ یہ ریاست پانڈیا میں واقع تھی۔ بالفاظِ دیگر مقدس رسول کی تبلیغی مساعی صرف ایک ریاست تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ آپ کا رسولی جوش آپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ریاست سے دُوسری ریاست میں کشاں کشاں لے جاتا تھا۔ جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ ریاستیں کٹر ہندُو ریاستیں تھیں اور وہ بُت پرستی کا محکم گڑھ تھیں جن میں سنسکرت کے عالم رہتے تھے تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقدس توما رسول نہ صرف ایک جوشیلے مبلّغ مفکر اور جیّد عالم تھے بلکہ آپ کی محبّت بھری شخصیت لوگوں کے دلوں کو موہ لیتی تھی اور آپ کی دانشمندانہ روش مخالفین کے بُرے منصوبوں پر ہر جگہ غالب آجاتی تھی۔ مندرجہ بالا سات شہروں کے نام ظاہر کرتے ہیں کہ آپ نے غور و فکر کو کام میں لا کر ایسے شہروں پر صلیب کا پرچم لہرایا جو نہ صرف مشہور تھے بلکہ ایسی نکڑ کی جگہیں اور اہم اور موزون مرکز تھے کہ جہاں سے انجیل جلیل کا پیغام ہر چہار طرف بآسانی تمام نومُریدوں کی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ پہنچ سکتا تھا۔ اور لوگ جوق در جوق اُچھے گڈریئے کے گلّے میں ہزاروں کی تعداد میں شامل ہو سکتے تھے۔ اور مابعد کے تجربہ نے ثابت کر دیا کہ آپ کی دانشمندانہ اور دُور اندیش مصلحت درست تھی۔

ساحل کورومنڈل پر مقدس توما کی خدمت

جب مقدس توما رسول کی دُور رس نگاہ نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر نکڑ کی اہم اور موزون مرکزی جگہوں میں کلیسیائیں قائم کر لیں اور آپ نے دیکھا کہ وہ خداوند میں مستحکم اور استوار

ہوگئی ہیں اور ایمان میں مضبوط اور شمار میں روز افزوں ترقی کر رہی ہیں۔ تو آپ کو اپنے خداوند کا حکم اور نمونہ یاد آیا (متی ۲۸: ۱۹۔ لوقا ۴: ۴۳ وغیرہ) اور آپ نے کسی اور جگہ جانے کا تہیہ کر لیا۔ آپ نے روزہ رکھا اور دعا مانگی جو رسولوں کا قاعدہ تھا (دیکھو اعمال ۱۳: ۱۔۳ وغیرہ) اور خدا سے ہدایت کے طلبگار ہوئے۔ روح القدس نے جس طرح دیگر مبلغین کو ہدایت کی تھی آپ کو بھی ہندوستان کے مشرقی ساحل کی جانب روانہ ہونے کا حکم دیا (دیکھو اعمال ۸: ۲۹+ ۱۰: ۹+ ۱۱: ۱۲+ ۱۳: ۴ وغیرہ) آپ مغربی گھاٹ کی کلیسیاؤں سے رخصت ہوئے۔ اور جنوبی ہندوستان کی تیسری ریاست چولا میں تشریف لے گئے۔ اس میں رتی بھر شک کی گنجائش نہیں کہ یہاں بھی آپ کی تبلیغی مساعی بار ور ہوئیں اور جا بجا کلیسیائیں قائم ہوگئیں۔ لیکن چونکہ پندرھویں صدی مسیحی میں مشرقی ساحل کی کلیسیاؤں کا نام و نشان نابود ہوگیا لہذا کوئی روایت موجود نہیں رہی جس سے یہ پتہ چل سکے کہ رسول مقبول کورومنڈل ساحل کے کس کس مقام پر گئے اور ایمان داروں کی جماعتیں کہاں کہاں قائم ہوئیں۔ لیکن روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ چولا ساحل کی سب سے شمالی بندرگاہ مدراس میں شہید کئے گئے۔ پس قیاس یہی چاہتا ہے کہ جس طرح آپ نے مغربی ساحل پر کلیسیائیں قائم کیں اسی طرح آپ نے مشرقی ساحل پر دریائے کاویری کے ڈیلٹا سے مدراس تک جگہ بہ جگہ چولا کی ریاست میں بھی کلیسیائیں قائم کی ہونگی اور ہزاروں ایمان دار منجئ عالمین کے قدموں میں آئے ہونگے۔ ورنہ یہ کلیسیائیں پے درپے کی ایذا رسانیوں کے باوجود پندرھویں صدی مسیحی تک زندہ نہ رہ سکتیں۔ جن مقامات میں آپ نے صلیب کا جھنڈا قائم کیا ہوگا وہ بعینہٖ اسی قسم کی نکڑ کی جگہیں اہم اور موزوں مرکز

ہوں گے جس قسم کے مغربی ساحل پر تھے۔ اگر ہمارا قیاس درست ہے (اور اس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ ہم کو دکھائی نہیں دیتی) تو مقدس رسول نے جنوبی ہند کی تینوں ریاستوں میں یعنی تمام کے تمام جنوبی ہند میں دُور اندیشی سے کام لے کر حکمت عملی سے ایسے مقامات کو منتخب فرمایا جن کے ذریعہ سب جنوبی ہند میں انجیل جلیل کا نجات بخش پیغام دُور دراز کے مقامات تک پہنچ سکے۔ پس جس طرح مقدس پولوس رسول نے مشرق و مغرب کے ممالک میں ایسے موزوں اور مرکزی مقاموں کو چُنا تھا جہاں سے منجئ عالمین کا نام خود بخود دیگر مقامات میں پہنچ جائے (اکر ۳: ۱۰) اُسی طرح مقدس توما رسول نے جنوبی ہندوستان میں "اس توفیق کے موافق جو خدا نے بخشی دانا معمار کی طرح" جا بجا کلیسیاؤں کی نیو رکھی تاکہ جنوبی ہندوستان کے ہر باشندے کا گھٹنا اس کے آگے ٹکے جو عالم و عالمیان کا مسجود ہے اور کونین کا نجات دینے والا ہے۔

رسولوں کے اعمال کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ مقدس پولوس رسول کا یہ وتیرہ تھا کہ آپ اُن کلیسیاؤں میں بار بار جاتے تھے جو آپ کی تبلیغی کوششوں کی طفیل معرضِ وجود میں آئی تھیں تاکہ آپ کی ملاقاتوں سے کلیسیاؤں کو تقویت پہنچے۔ اسی طرح مقدس توما رسول مشرقی ساحل کی کلیسیاؤں کو مستحکم اور ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتے تھے اور کئی بار مشرقی ساحل سے مغربی ساحل اور پھر مغربی ساحل سے مشرقی ساحل کی کلیسیاؤں کے پاس تشریف لاتے تھے "تاکہ ان کو کوئی روحانی نعمت دیں جس سے وہ مضبوط ہو جائیں"۔ آپ ان کے درمیان رہ کر اس ایمان کے باعث تسلی پاتے جو آپ میں اور

ان میں دونوں میں تھا (روم ۱۱: ۱۱-۱۲)۔ یوں رسول مقبول نے جنوبی ہندوستان کے مشرقی اور مغربی ساحلوں پر بیس سال تک خدمت کی[1]

مقدس توما رسول کے خطوط

باب اوّل میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ ڈاکٹر کیورٹن کو جنوبی مصر کی خانقاہ سے چند قدیم سامی نسخہ جات ملے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام "رسولوں کی تعلیم" (Doctrine of the Apostles) ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدس توما رسول نے ہندوستان سے ایڈیسہ کی سُریانی کلیسیا کو چند خطوط روانہ کئے تھے۔ چنانچہ اس کتاب میں مرقوم ہے[2]:-

"رسولوں کی وفات کے بعد کلیسیاؤں میں رہبر اور عامل موجود تھے۔ اور جب تک وہ زندہ رہے انہوں نے عوام الناس کو وہ تعلیم دی جو انہوں نے رسولوں سے پائی تھی۔ انہوں نے اپنی وفات پر اپنے شاگردوں کے سپرد وہ تمام باتیں کر دیں جو انہوں نے رسولوں سے پائی تھیں اور نیز وہ خطوط جو یعقوب نے یروشلیم سے اور شمعون نے شہر روم سے یوحنا نے افسس سے اور مرقس نے سکندریہ سے اور اندریاس نے فرگیہ سے اور لوقا نے مقدونیہ سے اور یہوداہ توما نے ہندوستان سے بھیجے تھے۔ تاکہ جس طرح رسولوں کے فتحمندانہ اعمال جو لوقا نے لکھے تھے ہر جگہ پڑھے جاتے ہیں اُسی طرح

1. Farquhar, Apostle Thomas in South India. p. 14
2. Dr. Wright's edition of ancient Syriac Documents p. 171.

یہ خطوط بھی ہر مقام کی کلیسیا میں پڑھے جائیں اور سب کو معلوم ہو جائے کہ رسولوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ . . . ہندوستان اور اس کے تمام صوبوں نے جو دُور سمندر کے ساحل تک پھیلے ہُوئے ہیں یہوداہ توما کے رسولی ہاتھ سے کہانت حاصل کی جو اُس کلیسیا کا رہبر اور عامل تھا جو اُس نے وہاں قائم کی تھی اور جس کے درمیان وہ خدمتگزاری کا کام کرتا رہا۔"

عبارتِ بالا سے ظاہر ہے کہ کتاب "رسولوں کی تعلیم" نہایت قدیم ہے کیونکہ اس میں رسولوں اور رسولوں کے جانشینوں کے لئے لفظ "بشپ" نہیں آیا بلکہ "رہبر اور عامل" آیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر رائٹ لکھتے ہیں "۔ اس مقام سے ظاہر ہے کہ یہ رسالہ اُس زمانہ سے پہلے کا ہے جب مشرق میں رسولوں کے جانشینوں کو بشپ کے موزوں لقب سے ملقب کیا گیا تھا" (ص ۱۷۱ نوٹ ۱)۔ ڈاکٹر کیورٹن کا خیال ہے کہ یہ رسالہ دوسری صدی کے اوائل یعنی ۱۱۰ء کے قریب) لکھا گیا تھا۔ بہرحال سطور بالا سے ثابت ہے کہ مقدس توما رسول نے ہندوستان سے ایڈیسہ کی کلیسیا کو چند خطوط لکھے تھے جو گردش ایام کے سبب اب ضائع ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ مستقبل کے زمانہ میں مصر کے کسی صحرائی قطعہ میں کبھی ان کی نقلیں دستیاب ہو جائیں۔

یہ خطوط کب اور کہاں سے لکھے گئے؟ ان کے مضامین کیا تھے؟

قیاس یہی چاہتا ہے کہ مقدس توما رسول نے پہلا خط ٹیکسلا سے لکھا ہوگا اور اس میں آپ نے پنجاب میں آنے اور کلیسیا کے قائم ہونے کا ذکر کیا ہوگا۔ تاکہ ایڈیسہ کی زبردست کلیسیا اور دیگر ممالک کی کلیسیاؤں سے پنجاب کی کلیسیا کا تعارف ہو جائے اور ان کی "خوشی پوری ہو" پھر کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اُس مصیبت اور آزمائش کی اطلاع دی ہوگی جو پنجاب کی کلیسیا پر

خونخوار کشتانوں کی وجہ سے آنے والی تھی اور ایڈیسہ کی کلیسیا سے دعا کی درخواست کی ہو گی۔

مقدس رسول نے جنوبی ہند کے مغربی ساحل سے بھی خطوط لکھے ہونگے اور ایڈیسہ کی کلیسیا کو اُن شاندار خدمات کی خوشخبری دی ہو گی جو آپ نے دونوں ساحلوں پر کلیسیاؤں کو قائم کر کے اپنے آقا اور خداوند کے لئے انجام دی تھیں۔ چونکہ شام کے تاجر اکثر جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں تجارت کی خاطر آتے جاتے تھے یہ امر یقینی ہے کہ ان میں بعض ضرور مسیحی ہونگے۔ اور ان کو رسول مقبول باریابی کا شرف عطا کرتے ہونگے۔ جس کی وجہ سے سُریانی کلیسیا مقدس توما کو اپنا رسول سمجھنے لگی۔ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اس کلیسیا میں اوّلین ایّام سے ہی روایت چلی آتی تھی کہ آپ ہی نے بزرگ ادّے کو ایڈیسہ بھیجا تھا جس کی تبلیغی کوششوں کی بدولت شامی کلیسیا وجود میں آئی۔ اب جو سُریانی مسیحی تاجروں نے آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کر کے شخصی تعلقات پیدا کر لئے تو آپ کا شام کی کلیسیا کے ساتھ نیا اور زیادہ محکم رشتہ اور استوار تعلق پیدا ہو گیا اور شام کی کلیسیا مقدس توما رسول کو اپنا رسول سمجھنے لگی اور آپ کے تبلیغی کام کو جو آپ ہندوستان میں دن رات محنتِ شاقہ کر کے سرانجام دیتے تھے اپنی دعاؤں میں خاص طور پر یاد کرتی تھی۔ یہی مسیحی تاجر مقدس رسول کے خطوط ایڈیسہ لے جاتے تھے۔ ہم ایڈیسہ کی کلیسیا کی خوشی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ خطوط اتوار کے روز عبادتِ عمیم کے وقت پڑھے جاتے ہونگے اور ایمان داروں کی جماعت کا دل بلیوں اُچھلتا ہو گا۔ ان کی نقلیں دیگر دیار و امصار کی کلیسیاؤں میں بھیجی جاتی ہوں گی جس طرح دیگر رسولوں کے خطوط کی نقلیں ایڈیسہ کی کلیسیا میں بھیجی جاتی تھیں اور کلیسیائے جامع خداوند

میں خوش ہوکر یکدلی سے ایک ہی بدن کے اعضا کیلئے ایک دُوسرے کے حق میں دُعا مانگتی تھی۔ رسول مقبول کے اصل خطوط بحفاظتِ تمام بطورِ تبرکات رکھے گئے۔ لیکن جب اس کلیسیا پر گردش آئی تو یہ خطوط ضائع ہو گئے۔

ہر صحیح العقل شخص یہ قبول کرنے کو تیار ہوگا کہ جنوبی ہند میں تشریف لاکر مقدس توما رسول پنجاب کی کلیسیا کے اُس نازک پودے کو نہیں بھولے ہونگے جس کو آپ کے مبارک ہاتھوں نے خود لگایا تھا۔ اور جس پر ظالم کُشانوں کی تباہ کُن بادِ سموم چل رہی تھی۔ یہ کلیسیا آپ کی گوشۂ جگر تھی کیونکہ آپ کی اوّلین تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ آپ انجیل کے وسیلے سے مسیح یسُوع میں اُس کے باپ" تھے۔ اس کی طرف سے آپ کو "جننے کے سے درد لگے" تھے۔ ہندوستان سے پنجاب کے لوگ "پہلے پھل" تھے۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ خطرہ اور تباہ کاری کے وقت وہ اپنے لختِ جگر کو فراموش کر دیتے؟ آپ ان کے لئے ہمیشہ دستِ بدُعا رہتے ہونگے۔ اور خُدا کے حضور گڑگڑا کر اُن کے لئے دُعائیں اور التجائیں کرتے ہونگے۔ آپ نے ان کو خط بھی لکھے ہوں گے جس میں آپ نے "ذبح ہونے والی بھیڑوں" کو پند و نصائح کی ہونگی۔ ان رسُولی خطوط کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب کی شیر دل کلیسیا نے تباہ و شہید ہونا اور مرمٹ کر فنا اور نابود ہو جانا منظور کر لیا لیکن اپنے منجی کا انکار نہ کیا۔ اگر پنجاب کی اس کلیسیا کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان حرفِ غلط کی طرح محو نہ ہو جاتا تو ہمیں یقین ہے کہ یہ رسولی خطوط آج ٹیکسلا کے عجائب خانہ کی زینت ہوتے۔ اور آج ہر پنجابی مسیحی اُن کو چوم کر اپنی آنکھوں پر لگاتا اور اپنے دیدۂ دل کی بصیرت کو ان کے انوار سے منور کرتا۔ لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا اور یہ خطوط بھی ضائع ہو گئے۔

ایڈیسہ اور ٹیکسلا کی کلیسیاؤں کے علاوہ مقدس توما رسول نے اس "چھوٹی جھنڈ" کو بھی ضرور خط لکھے ہونگے جس کو آپ سکوترہ کے جزیرہ میں چھوڑ آئے تھے۔ آپ نے ان کو بھی پند و نصیحت دے کر خداوند مسیح کی محبت میں قائم رہنے کی تعلیم و تلقین کی ہوگی۔

فصل سوم

تاجِ شہادت

کیا مقدس توما شہید کئے گئے تھے؟

اس رسالہ میں ہم نے مقدس توما رسول کی نسبت دو مختلف ممالک کی کلیسیائی روایات کا ذکر کیا ہے۔ یعنی سُریانی کلیسیا کی روایت کا جو "مقدس توما کے اعمال" کی کتاب میں ہے اور دوسری روایت جنوبی ہند کی کلیسیا کی ہے۔ گو دونوں روایات مختلف ہیں لیکن ایک امر پر دونوں متفق ہیں کہ مقدس توما شہید ہوئے تھے۔

لیکن ان متفقہ روایات کے خلاف دوسری صدی کا بدعتی ناستک مصنف ہیراکلیون (Heracleon) سنہ ۱۷۰ء میں لکھتا ہے کہ مقدس توما شہید نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "یہ بات غلط ہے کہ مسیح کا اقرار صرف مجسٹریٹوں کے سامنے ہی ہو سکتا ہے۔ ایک اور قسم کا اقرار ہے جو اقوال و افعال سے اور ایمان اور اعمال کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کا اقرار ریاکار بھی کر سکتے ہیں اور سب کے لئے لازم نہیں ہے۔ چنانچہ بہتوں نے اس قسم کا اقرار نہیں کیا۔ مثلاً متی اور

فلپس۔ توما اور لیوی نے نہیں کیا۔ لیکن دوسری قسم کا اقرار سب پر لازمی ہے۔"

رومی کلیسیا کا عالم بشپ میڈلی کاٹ اس پر تنقید کر کے کہتا ہے کہ مندرجہ بالا سطور میں ہیراکلیون نہ صرف مقدس توما کی شہادت کا انکار کرتا ہے بلکہ دیگر رسولوں کی شہادت کا بھی انکار کرتا ہے۔ اور تاریخ کلیسیا کے صفحات اس کے انکار کو غلط ثابت کرتے ہیں۔

مقدس توما رسول کی شہادت کے راوی ثقہ ہیں۔ آپ کی شہادت کا ذکر نہ صرف "توما کے اعمال" کی کتاب میں ہے جو ہیراکلیون کے زمانہ میں ہی لکھی گئی تھی بلکہ مقدس افرائیم (Ephraem) ۳۷۸ء میں۔ مقدس ایمبروز (Ambrose) ۳۹۷ء میں مقدس ایسٹیریس (Asterius) ۴۰۰ء میں۔ مقدس گاڈن ٹیس (Gauden-tius) ۴۱۰ء میں۔ مقدس گریگوری (Gregory) ۵۹۴ء میں۔ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ مقدس توما ہندوستان میں شہید ہوئے تھے۔

علاوہ ازیں سُریانی کلیسیا کی جنتریاں اور نماز کی کتابیں۔ جیکو بائٹ سُریانی کلیسیا کی نماز کی کتاب نسطوری کلیسیا کی نماز کی کتاب۔ رومی کلیسیا کی قدیم جنتریاں اور شہیدوں کی فہرست۔ یونانی کلیسیا اور ابی سینیا کی کلیسیاؤں کی نماز کی کتاب اور سکندریہ کی کلیسیائیں سب کی سب مقدس توما کے ہندوستان میں شہید ہونے پر شاہد ہیں۔

پس نہ صرف جنوبی ہند کی کلیسیا بلکہ سُریانی۔ نسطوری۔ یونانی اور لاطینی کلیسیائیں یعنی مشرق و مغرب کی تمام کلیسیائیں متفق ہو کر

اس امر کی گواہ ہیں کہ مقدّس توما نے فی الواقع جامِ شہادت پیا تھا۔ ہم کلیسیا کی متفقہ گواہی کے سامنے ایک واحد بدعتی شخص کی رائے جو ہندوستان سے دُور دراز ملک سسلی یا اٹلی کا رہنے والا تھا، غیر معقول بات کو وقعت نہیں دے سکتے۔

جائے شہادت

مقدّس توما کے اعمال کی کتاب کا مصنف تاریخی اور جغرافیائی پہلوؤں کی جانب سے لاپروا ہے لہٰذا وہ اس کتاب میں نہ تو مقدّس رسول کی جائے شہادت کا نام بتلاتا ہے اور نہ یہ بتلاتا ہے کہ شہادت کے وقت آپ کا سنِ شریف کیا تھا۔ یا کس سنِ عیسوی میں آپ شہید کئے گئے تھے۔ جنوبی ہند کی روایت کے مطابق آپ ۷۲ء میں مشرقی ساحل کے مقام مائلاپور میں شہید کئے گئے[1] لیکن ہیپولیٹس (سنِ وفات ۲۳۹ء) کہتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک مقام "کارومین" یا "کالامینا" میں آپ نے شربتِ شہادت پیا۔ ڈاکٹر میکلین کا خیال ہے[2] کہ لفظ "کارومین" درحقیقت "کورومنڈل" کا بگڑا ہوا نام ہے جو ایک چھوٹا گاؤں تھا جو ساحل پر مدراس کے شمال کی جانب واقع تھا۔ اور جس کی وجہ سے تمام مشرقی ساحل کا نام کورومنڈل ساحل پڑ گیا ہے

1. Jacquar, Apostle Thomas in S. India p. 6. Also W. J. Richards, Ind. Christians of St. Thomas p. 77.
2. Maclane, Manual of administration of Madras Presidency.

مسٹر جوزف کہتے ہیں[1] "مجھے یقین واثق ہے کہ یونانی اور سُریانی مصنفوں نے لفظ "چنا ملائی" کو بگاڑ کر "کالا مینا" کر دیا ہے۔" ایک اور جگہ یہی صاحب لکھتے ہیں[2] "جب ۱۶۵۲ء میں پیٹریارک احد اللہ کو مائلا پور میں قید کیا گیا تو اس نے مالابار کے مسیحیوں کو لکھا تھا کہ مجھے پرتگیزوں نے کالا مینا میں قید کر رکھا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ "کالا مینا" اور مائلا پور ایک ہی جگہ کے دو نام تھے۔"

بہر حال یہ ایک معنی خیز بات ہے کہ اگرچہ مشرقی ساحل کی کلیسیائیں مابعد کی صدیوں میں نیست و نابود ہو گئیں اور مغربی ساحل کی کلیسیائیں برقرار اور قائم رہیں تاہم مالابار کی کلیسیاؤں نے کبھی یہ دعوے نہیں کیا کہ مقدس توما کا مزار اُن کے درمیان ہے۔ بلکہ اُن میں یہی روایت صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ کہ مقدس توما مشرقی ساحل کے مقام مائلا پور میں شہید کئے گئے تھے۔ اور وہیں آپ کا مزار شریف بھی ہے۔ جب ہم اس بات کو مدِنظر رکھتے ہیں کہ مشرقی اور مغربی ممالک میں سے کبھی کسی اور مُلک نے یہ دعوے نہیں کیا کہ مقدس توما رسول اُس کی حدود میں شہید کئے گئے اور خود ہندوستان کے کسی شہر نے سوائے مائلا پور کے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ کا مزار اس کے اندر صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ تو یہ خیال پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ مائلا پور ہی مقدس توما

1. T. K. Joseph, Young Men of India for July 1927. p. 16.
2. T. K. Joseph in Catholic Register for April 1945 p. 55.

کی جائے شہادت ہے۔

واقعۂ شہادت

جنوبی ہند کی روایت سے ظاہر ہے کہ مقدس توما رسول کی تبلیغی مساعی نہایت پھل دار ثابت ہوئیں۔ بالخصوص مشرقی ساحل کے مقام مدراس کے لوگ بت پرستی اور دیگر مشرکانہ عقائدِ باطلہ کو ترک کر کے خداوند مسیح کے قدموں میں آ گئے اور کروڑوں دیوتاؤں کی بجائے خدائے واحد کی پرستش کرنے لگے۔ وہ کرم اور تناسخ کے مسائل کو خیرباد کہہ کر منجیٔ عالمین کے کفارہ کے قائل ہو گئے۔ مقدس رسول کے نو مریدا اپنے ہم وطنوں میں خدا کی لازوال محبت اور گناہوں کی معافی کا پرچار کرنے لگے۔ ہر جگہ ایک شور مچ گیا۔ اور عالم اور جاہل اعلیٰ اور ادنیٰ جوق در جوق آتے اور خوشی سے خداوند کا کلام سنتے اور بپتسمہ پا کر ایمانداروں کی جماعت میں شامل ہوتے تھے۔

شروع ہی سے شیطانِ لعین کا یہ حربہ رہا ہے کہ جب اس کو حق کی فتح اور سچائی کا غلبہ نظر آتا ہے تو وہ اپنے لوگوں کو حق کے خلاف اکساتا ہے۔ چنانچہ جب یہود کے عوام الناس ابن اللہ کے کلمات طیبات کو سن کر اور آپ کے معجزات بینات کو دیکھ کر آپ پر ایمان لائے تو ان کے رؤسا اور کاہن آپ کے قتل کی چپکے چپکے سازش کرنے لگے (یوحنا ۵: ۱۸ + ۷: ۱ + ۸: ۳۷ + ۱۱: ۵۳ وغیرہ) حتیٰ کہ انہوں نے زندگی کے مالک کو مصلوب کر کے دم لیا لیکن حق غالب آیا۔ اور منجیٔ عالمین نے گور پر فتح پائی۔ اسی طرح روح القدس کے نزول کے بعد خداوند کے رسولوں (جن میں مقدس توما بھی تھے) کے خلاف شیطان نے اسی حربہ کو استعمال کیا (اعمال ۵: ۳۳ + ۶: ۷-۱۴ + ۱۲: ۱-۲ + ۱۳: ۴۵ + ۱۶: ۱۹-۲۴ و ۱۷: ۵-۶ وغیرہ) اب جو شیطان نے دیکھا کہ مشرقی ساحل کے گروہوں کے

گروہ اس کی غلامی سے رہا ہو کر ابدی زندگی حاصل کر رہے ہیں تو اس نے چند شریر النفس برہمنوں کو (جو کالی دیوی کے پجاری تھے) اُبھارا جنہوں نے چپکے چپکے اپنے ہم خیال لوگوں کو جمع کیا۔ مائلاپور کے عوام الناس نے برہمنوں کی باتوں میں آکر بلوہ کر کے اچانک فساد برپا کر دیا۔ انہوں نے مقدس توما رسول کو ایک پہاڑی پر پکڑ لیا۔ لوگ آپ پر یک لخت ٹوٹ پڑے ایک شخص نے بھالے سے ایسا وار کیا کہ اس نے مقدس رسول کے مبارک جسم کو چھید ڈالا اور آپ نے جان بحق تسلیم کر کے شہادت کا تاج حاصل کیا۔ روایت کے مطابق یہ ۷۲ء کا واقعہ ہے۔ مغربی کلیسیا ۲۱ دسمبر کے روز آپ کی جلالی شہادت کی یادگاری کرتی ہے۔

مقدس رسول کا مزار مبارک

جب ہجوم نے رسول مقبول کو شہید کر کے اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیا اور بلوہ فرو ہو گیا تو کلیسیا کے ایمان داروں نے رسول کے بدن اطہر کو لیا اور میت کو غسل دیا۔ جس پہاڑی پر آپ کو شہید کیا گیا تھا وہ اب "مقدس توما کی پہاڑی" کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کا مبارک لاشہ وہاں سے لایا گیا۔ اور اُس مقام میں دفن کیا گیا جہاں اب مقدس توما کا عالیشان کیتھیڈرل کھڑا ہے۔

اس ہولناک سانحہ کی وجہ سے ہندوستان کے مشرقی ساحل کی کلیسیاؤں میں کہرام مچ گیا اور ہوتے ہوتے یہ اندوہ ناک خبر مغربی ساحل کی کلیسیاؤں تک پہنچی کہ وہ شخص جو خداوند میں ان کا باپ تھا شہید کر دیا گیا ہے۔ تمام جنوبی ہند کی کلیسیاؤں میں ماتم کی صف بچھ گئی اور ہر مقام کے مسیحی رنج اور غم سے بھر گئے اور انہوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ مقدس رسول کی

یادگار انجیل جلیل کی اشاعت کے ذریعہ کرینگے۔ پس انہوں نے اپنی تبلیغی کوششوں کو آگے سے دہ چند کر دیا۔ شہید رسول کا خون کلیسیا کا بیج ثابت ہوا۔ جگہ جگہ نئی کلیسیائیں قائم ہو گئیں۔ اور مشرقی اور مغربی ساحلوں پر ایمان داروں کی تعداد دن دُگنی رات چوگنی ہوتی گئی۔ مابعد کی صدیوں میں مشرقی ساحل کے مسیحیوں پر ہر طرح کا ظلم و ستم کیا گیا۔ پے در پے کی متواتر ایذا رسانیوں سے مجبور ہو کر ان مسیحیوں کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے مغربی ساحل میں اپنے برادرانِ دین کے پاس آکر پناہ گزین ہو گئی اور مستقل طور پر وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اور اب جنوبی ہند کے مسیحیوں کی تعداد آٹھ لاکھ کے لگ بھگ ہے

شامی اور ہندی کلیسیا کا تعلق

ملکِ شام کی کلیسیا کے ایڈیسہ کے مسیحی تاجر مغربی ساحل کی بندرگاہوں میں بغرضِ تجارت آیا جایا کرتے تھے۔ وہ مقدس توما رسول (جن کو وہ اپنا رسول سمجھتے تھے) کی زیارت کرنے آتے تھے اور آپ کے پند و نصائح سے فیضیاب ہوا کرتے تھے۔ جب انہوں نے رسول مقبول کی شہادت کی نسبت سُنا تو ان کے دل غم و اندوہ سے بھر گئے وہ مغربی ساحل سے مشرقی ساحل کو گئے تاکہ اپنی آنکھوں سے اُن مقامات کو دیکھیں جہاں آپ کو شہید کیا گیا تھا اور جہاں آپ کا مزار واقع تھا۔

مقدس توما کی شہادت نے جنوبی ہندوستان اور شام کی کلیسیاؤں کو باہمدگر وابستہ کر دیا۔ دونوں مُلک مقدس رسول کو اپنا رسول سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں آپ نے خود کام کیا تھا اور شام کی جانب آپ نے ادّیئے کو روانہ کیا تھا۔ ۹۹ سنہ میں بزرگ ادّیئے ایڈیسہ سے رخصت ہوئے

تاکہ انجیل جلیل کا پیغام دریائے دجلہ کے پار مشرقی ممالک میں سنائیں۔

تب سے ایڈیسہ کی کلیسیا میں بشپوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اُن کا پہلا بشپ اگئے تھا لیکن جنوبی ہندوستان میں مقدس توما کی اچانک شہادت کی وجہ سے کوئی بشپ نہ تھا۔ یہاں صرف پریسٹ یعنی پریسبٹر ہی تھے۔ جب مقدس رسول کی شہادت کی وجہ سے دونوں ممالک کی کلیسیاؤں میں رابطۂ محبت و اتحاد قائم ہو گیا تو جنوبی ہند کی کلیسیائیں سُریانی بشپ کے ماتحت ہو گئیں۔ سُریانی اناجیل اور خطوط اور سُریانی زبان کی نماز کی کتابیں جنوبی ہند میں رائج ہو گئیں۔ اور جنوبی ہند کے بشپوں کی تقدیس ایڈیسہ میں ہونے لگی[1]۔

ڈاکٹر منگانا کہتے ہیں "ہندوستان کی کلیسیا کی یہ خصوصیت رہی ہے۔ کہ اس کی کوئی خاص کلیسیائی زبان نہیں ہے۔ مغربی مشنریوں کی آمد سے پہلے اس کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جب اس میں سُریانی زبان کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔ ممکن ہے کہ ہند کی دور دراز کی بندرگاہوں میں مصر کے تاجروں کی خاطر کبھی یونانی زبان مستعمل کی گئی ہو اور جاہل دیہاتیوں کی خاطر عہدِ عتیق و جدید کے چند اوراد کا ترجمہ تامل وغیرہ کسی زبان میں کیا گیا ہو لیکن ہم کو اس بات کا کوئی پتہ اور نشان نہیں ملتا۔ ہندوستانی کلیسیا ہمیشہ سُریانی زبان کا ہی استعمال کرتی رہی ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کلیسیا مشرقی سُریانی

1. Farquhar, Apostle Thomas in South India. p. 20.

کلیسیا یعنی نسطوری کلیسیا کے احسان کی زیر بار رہی ہے۔"[1]

رسول کی مبارک ہڈیوں کا ایڈیسہ میں منتقل ہونا

باب اوّل میں ہم بتلا چکے ہیں کہ ایڈیسہ کی کلیسیا پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں دُنیا کی عظیم الشان کلیسیاؤں میں سے تھی۔ اس کی ہمسایہ کلیسیاؤں میں مقدسین کے مزار تھے جہاں ہر سال اُن مقدسوں کی شہادت کے روز اُن کا عرس منایا جاتا تھا۔ اُس دن کو اُس خاص مقدس کا "روزِ ولادت" کہا جاتا تھا۔ مثلاً ایڈیسہ کے پاس انطاکیہ کا شہر تھا جس کا بشپ مقدس اگنیشئس (Ignatius) سنہ ۱۲۰ء کے قریب روم میں شیروں کے آگے ڈال کر شہید کیا گیا تھا۔ آپ کی ہڈیاں بحفاظت تمام انطاکیہ میں لاکر مدفون کی گئیں اور ہر سال وہاں آپ کے "روزِ ولادت" یعنی شہادت کے دن عرس ہوتا تھا۔ اسی طرح سنہ ۱۵۵ء میں سمرنا کی کلیسیا کا بشپ پولیکارپ (Polycarp) خاص سمرنا میں زندہ آگ میں جلا کر شہید کیا گیا تھا۔ آپ کی ہڈیاں بھی وہیں دفن کی گئیں اور ہر سال آپ کی قبر پر آپ کے "روزِ ولادت" کے دن پاک شراکت یعنی عشائے ربانی کی رسم ادا کی جاتی اور آپ کا عرس منایا جاتا تھا۔ دوسری اور تیسری صدی میں مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں شہداء کے مزاروں پر جانا ایک عام بات ہوگئی تھی۔ ان مختلف شہروں میں عرس کے موقعہ پر ایمان دار ہزاروں کی

---

1. Mingana, Early Spread of Christianity in India p. 9.

تعداد میں جمع ہو جاتے تھے اور زائرین کا میلہ لگ جاتا تھا۔ دُور دراز کے مقامات کے مسیحی ایسے اوقات پر جمع ہو کر مزار شریف کی زیارت کرتے۔ خدا کا کلام سُنتے۔ مسیحی گیت گاتے اور ایک دوسرے کی مسیحی رفاقت سے لطف اندوز ہو کر واپس اپنے شہروں اور گاؤں میں جا کر دیگر مسیحیوں اور کلیسیاؤں کو اپنے جوش و جذبہ سے مسیحی زندگی اور تبلیغ کے فرض کی جانب راغب کرتے اور ان کو جوش دلاتے تھے۔

اسی طرح مقدس توما رسول کے مزار شریف پر رسول کے "روز ولادت" کی تقریب پر ہر سال مائلاپور میں میلہ منعقد ہوتا تھا۔ دُور دراز کے مقامات اور مشرقی اور مغربی ساحلوں کی کلیسیاؤں کے شرکاء ہزاروں کی تعداد میں جاتری ہو کر مقدس رسول کے مزار پر آتے تھے۔ وہاں مارکوپولو کے بیان کے مطابق ایک گرجا اور مسیحی سادھوؤں کی خانقاہ قائم تھی۔ اور ہر سال ایڈیسہ کی کلیسیا کے نمائندے وہاں آ کر مقدس رسول کے مزار کی زیارت کرتے تھے لیکن ایڈیسہ کی کلیسیا کی یہ بڑی آرزو تھی کہ مقدس توما رسول کی مبارک ہڈیاں اُن کے شہر میں ہوں۔ تاکہ جس طرح انطاکیہ۔ سمرنا وغیرہ مقامات میں عرس ہوتے تھے اُسی طرح اُن کے شہر میں بھی مقدس توما کا "روز ولادت" منایا جائے۔ مقدس رسول کے خطوط اُن کے پاس پہلے ہی سے تبرک موجود تھے۔ اُن کے دِل میں یہی آرزو تھی کہ آپ کا مزار شریف بھی اُن کے شہر میں ہو۔ دیگر شہروں میں عام مسیحی شہیدوں کے مزار تھے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ ان کے درمیان خود منجی عالمین کے رسول مقدس توما کا مزار ہو۔ جو ایڈیسہ جیسی عظیم الشان کلیسیا کے شانِ شایاں ہو۔ پس اس کلیسیا کے چند شرکاء نے یہ تہیہ کر لیا کہ ہر ممکن کوشش کر کے وہ مقدس

تو مار سول کی مبارک ہڈیاں ہندوستان کے مشرقی ساحل سے لے کر ہی
واپس آئینگے۔ پس وہ ۱۶۵ء کے قریب ساحل کورومنڈل کو گئے اور
مائلاپور پہنچے۔[1] رات کی خاموشی میں انہوں نے مزارِ مبارک کو کھودا اور
رسول کے مقدس لاشہ کا بیشتر حصہ اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور کچھ ہڈیاں اور
بھالے کا حصہ (جس سے آپ شہید کئے گئے تھے) پیچھے قبر میں چھوڑ گئے۔
چنانچہ جب سولھویں صدی میں پرتگیزوں نے مائلاپور کے مزار مبارک
کو کھودا تو وہاں ہڈیاں نہ پائیں۔[2]

جب شامی مسیحی اپنے بیش قیمت خزانہ کے ساتھ ایڈیسہ پہنچے تو
وہ روزِ سعید ۲۲ راگست کا دن تھا۔[3] ہم ایڈیسہ کی کلیسیا کی انتہائی خوشی
کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کس تزک و احتشام سے وہ مقدس رسولِ شہید کی
مبارک ہڈیاں اپنے شہر میں لائے ہونگے۔ سُریانی کلیسیا کے لاکھوں لاکھ
مسیحی دور و دراز مقامات سے اس سعید موقع پر جمع ہوئے۔ ایڈیسہ
کا اسقفِ اعظم اور دیگر بشپ۔ پریسٹ اور ڈیکن اپنے اپنے عہدوں کے
لباسِ خاص میں ملبوس ہو کر اور عوام الناس فاخرہ پوشاک میں آراستہ

1. Farquhar, Apostle Thomas in S. India p. 23
2. T. K. Joseph, Y.M.I. for July 1927. p. 15
3. Prof. F. C. Burkitt, quoted by T. K. Joseph in Young Men of India for Dec. 1927 p. 4.

ہو کر اور حسب توفیق طلائی اور زری کپڑے پہن کر شہر کے باہر شان و شوکت کے ساتھ گئے انہوں نے رسول کے مبارک لاشہ کے لانے والوں کا خیر مقدم کیا۔ مقدس رسول کی ہڈیوں کو نہایت عزت اور احترام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ آپ کے مزار شریف پر ایک عالی شان بیت اللہ ایک سال کے اندر اندر تعمیر کیا گیا جس کی چانسل یعنی مشرقی حصے کی ۲ر جولائی کے روز اور وسطی حصہ کی ۳ر جولائی کے روز تقدیس کی گئی۔[^1]

مقدس خرستم فرماتے ہیں کہ ایڈیسہ میں مقدس توما کا مزار اُن چار قبور میں سے ہے جن کے اصلی ہونے میں کسی شُبہ کی گنجائش نہیں۔ باقی تین مزارات مقدس پطرس۔ مقدس پولوس اور مقدس یوحنا رسول کے ہیں +

لاشہ مبارک کی نقل مکانی

جب ایڈیسہ کا شہر اسلامی افواج کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گیا اور وہاں کے مسیحی یا قتل کئے گئے یا ہجرت اختیار کر گئے یا اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تو ۳ر جولائی کے روز مقدس توما کے عرس کا تہوار منانے کی رسم بھی رفتہ رفتہ ختم ہو گئی۔ اور اب دورِ حاضرہ میں ایڈیسہ میں یہ تہوار منایا نہیں جاتا۔ ۱۱۴۲ء میں جب زنگی امیر موصل نے شہر ایڈیسہ کو ۲۸ دن کے محاصرہ کے بعد فتح کر لیا تب مقدس توما رسول شہید کی مبارک لاش وہیں مدفون تھی۔ ایک سال کے بعد مسیحیوں نے اس شہر کو واپس لے لیا۔ لیکن زنگی کے بیٹے نور دین نے دوبارہ ایڈیسہ کو فتح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ تب مقدس رسول کی مبارک ہڈیاں جزیرہ چیوس (Chios) میں منتقل کی گئیں جو بحر ایجین میں ایشیائے کوچک کے

[^1]: لہ

ساحل کے پرے واقع ہے۔ اور بالآخر ۱۲۹۸ء میں ان کو اٹلی کے شہر اور ٹونا (Ortona) کے کیتھیڈرل میں دفن کیا گیا جہاں زائرین جاکر ان کی زیارت کرتے ہیں

کلیسیائے ہندوستان اور مقدس توما رسول

سُریانی کلیسیا کے اسقفِ اعظم نے حکم دیا کہ ہر ماہ تموز (جولائی) کی تیسری تاریخ کے روز مقدس توما کا عُرس منایا جائے۔ یونانی کلیسیا ہر سال ۶۔ اکتوبر کے روز مقدس توما کی شہادت کی یادگاری کرتی ہے۔ ابی سینیا کی کلیسیا جو سکندریہ کی کلیسیا کی بیٹی ہے اسی روز کو مناتی ہے۔ لیکن لاطینی کلیسیا میں یہ روز ۲۱ دسمبر کے دن منایا جاتا ہے۔ کلیسیائے ہندوستان نے مغربی کلیسیا کی تقلید میں ۲۱ دسمبر کا روز کلیسیا کے اس مقدس رسول اور ہندوستان کے پہلے شہید کے لئے مقرر کیا ہے جب وہ مقدس توما رسول کی یادگاری کرتی ہے۔ اُس نے اِس روز کے لئے مقدس پولوس رسول کے خط کا جو حصہ مقرر کیا ہے وہ افسیون کے دوسرے باب میں ہے۔ اس میں ہندوستانی کلیسیا کو یاد دلایا جاتا ہے کہ "اب تم پردیسی اور مسافر نہیں رہے بلکہ مقدسوں کے ہم وطن اور خدا کے گھرانے کے ہو گئے ہو۔ اور رسولوں اور نبیوں کی نیو پر جس کے کونے کے سرے کا پتھر خود مسیح یسوع ہے تعمیر کئے گئے ہو۔ اُسی میں ہر ایک عمارت مل ملا کر خداوند میں ایک پاک مقدس بنتی جاتی ہے اور تم بھی اس میں باہم تعمیر کئے جاتے ہو تاکہ روح میں خدا کا مسکن بنو" (آیات ۱۹ تا ۲۲)

یہ سب ہم کو مقدس توما رسول کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ کلیسیائے ہند اس رسول کے احسان کی تا ابد زیر بار رہیگی۔ یہ امر ہمارے لئے فخر کا موجب ہے کہ منجی عالمین کے بارہ رسولوں میں سے ایک رسول خود بنفس نفیس خدا کی محبت کا پیغام دینے کی خاطر عزیز و اقارب کو چھوڑ گھر اور زر پر لات مار اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر دور و دراز کے خشکی اور تری کے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہمارے ملک عزیز میں آئے اور کمال دلیری اور استقلال اور دانشمندی سے ربع صدی کے قریب انجیل

جلیل کی خدمت کرکے ہزاروں روحوں کی نجات کا باعث بنے۔ آپ نے جا بجا کلیسیائیں قائم کر دیں اور بالآخر یہیں شہید ہو گئے۔ آپ کی آمد اور شہادت نے ہندوستانی کلیسیا کے ہر فرد کے کندھوں پر انجیل جلیل کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے فرض کو پہچان کر اپنے ابنائے وطن کو منجیٔ عالمین کے قدموں میں لانے کی سر توڑ کوشش کرے۔ ع ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

جب تک سُریانی کلیسیا کے دم میں دم رہا وہ ۳ر تموز کے روز مقدس توما رسول کا عرس مبارک مناتی رہی۔ جنوبی ہند کی کلیسیا تا حال اس روز شہید رسول کا عرس مناتی ہے۔ ایڈیسہ میں عرس کے موقعہ پر عموماً وہ گیت گائے جاتے تھے جو مقدس افرائیم نے جو سُریانی کلیسیا کے زبردست فاضل تھے ۳۶۰ء میں مقدس توما کی تعریف اور شان میں لکھے تھے۔ ہم ان میں سے چند اشعار نمبر ۷ نقل کرتے ہیں۔ یہ اشعار سُریانی زبان میں لکھے گئے تھے۔ ان کا انگریزی ترجمہ بشپ میڈلی کاٹ نے کیا ہے۔ بیس سال ہوئے ہم نے ان انگریزی اشعار کو جناب کیدار ناتھ صاحب ہنت مرحوم کو بھیجا تھا تاکہ وہ مسیحی اردو ادب کی زیب و زینت ہوں۔ مرحوم نے ہماری درخواست پر توجہ کرکے ان کو حسب ذیل منظوم کیا تھا:—

در مدحِ توما رسول شہید

مخمس

توما۔ رسولِ پاک مقدس لقب توام — تُو ہے مُبارک اور ہیں برکت کے تیرے کام
دُگنی ہے تیری طاقتِ رُوحانی اور اُتم — قوّت ہے تیری ایک نہ ہے ایک تیرا نام
وہ ہیں کثیر۔ بلکہ ہے شہرت بھی اُس کی عام

شہرت پذیر تھا جو رسولوں میں تیرا نام — کیا ہے ضرور اس کی روایت سُنائیں ہم
بالا ہے تُو ہماری ذہانت سے لا کلام — حالت ہماری پست ہے کیونکر اُٹھائیں ہم
صرف اس قدر کہ تیرے لئے گیت گائیں ہم

جیسے کہ آفتابِ درخشاں کی ہو کرن — تُو ہے مُبارک اور ہمایُوں تیرا عمل
تُو ہند میں ہے نُور سے اپنے ضیا فگن — ظلمت ہوئی ہے دُور اندھیرا گیا ہے ٹل
کایا پلٹ دی وہ کہ شباہت گئی بدل

تیرا چراغ کیوں نہ جلے مثلِ آفتاب — اپنے دیئے میں تُو نے بھرا روغنِ صلیب
تاریک گوشے ہند کے ہیں اس سے نُور یاب — آئے ہیں آفتابِ صداقت کے سب قریب
رات اُس کی جگمگائی ترے نُور سے حبیب

تُو ہے مُبارک آج کہ بھیجا تجھے یہاں — شاہوں کے شاہ بادشہِ ذی کمال نے
فرزند ایک ہی ہے جو اُس کا عزیزِ جاں — دی جان اپنی فدیہ میں جس خوش خصال نے
شادی رچی ہے اُس کی اب اُس ذوالجلال نے

تُو نے عروسِ ہند کو اے خوش قدم سفیر — آراستہ کیا کہ وہ اُس کی دُلہن بنے
تُو نے نسیمِ فصل کی تاثیر بے نظیر — ڈالی کہ گُل کے واسطے رشکِ چمن بنے

بڑھ کر سفید برف سے بھی پیرہن بنے

ذی عزم اے رسول مبارک ہے تُو ضرور   اُس کے دُلہے کے واسطے تُو نے کیا یہ کام

تاریکی اُس کی دُور کی۔ چمکی وہ کوہِ نور   میلی تھی اُس کو دھو کے کیا تُو نے مہر فام

عقد اُس کا تُو نے اس سے کیا با صدِ احتشام

اے ہند کے رسول مبارک ہے تُو ضرور   تیرا ہے اُس دُلہن پہ بھروسہ اور اعتقا

الحاد و کفر و شرک کیا تُو نے جس سے دُور   شیطاں کی حرکتیں ہیں نہ اب اُس میں ارتکا

اور اُس کی بُت پرستی سے تُو نے کیا جہاد

قربانیوں کی تھی جو غلامی وہ دُور کی   اُس کو کیا نجات کے پانی سے تُو نے صاف

جُھلسی ہوئی جو شکل تھی اب ہے وہ نُور کی   کرتا ہے آفتابِ درخشاں بھی اعتراف

نُورِ صلیب سے وہ کرے کیونکر اِنحراف

شہر اُڈیسہ تُو ہے مُبارک کر اِس پہ غور   حاصل کیا ہے تُو نے وہ لُولُوئے آبدار

ہندوستان دے نہ سکے جس سے بہتر اَور   زیبا ہیں تجھ کو یہ دُرّ و یاقوتِ شاہوار

گر حمد تجھ کو دیتا ہے زر۔ ابنِ کردگار

تُو ہے مُبارک آپ سن اے چرچ سیئرمَن   تُو نے جنوبی ہند میں جڑ ڈالی اُستوا

خُونِ شہید پاک سے ہے سُرخ پیرہن   تُو مانے اپنے خون سے تیرا کیا سنگار

کر اجر کا مسیح کی آمد تک اِنتظار

تصنیفات پادری برکت اللہ صاحب ایم-اے

خواجہ کمال الدین قادیانی کی ایک گمراہ کن کتاب ینابیع المسیحیت
کا دندان شکن جواب مشتمل بر دو حصہ قیمت ہر دو حصہ ۱۲/-

جس میں کتابِ مقدس کے مجموعہ کی صحت کو تنقیدی اصولوں کے مطابق
پرکھ کر ثابت کیا گیا ہے۔ علم الٰہیات کے مدرسوں کے کورس میں
شامل ہے۔

میں خداوند مسیح کی تعلیم کی توضیح کر کے اس کو بے نظیر ثابت
کیا گیا ہے۔ پادری صاحب کو اس کتاب کے لکھنے کے لئے انعام
ملا ہے۔ قیمت ۸/-

میں ثابت کیا گیا ہے کہ صرف مسیحیت ہی فطرت کے جبلی میلانات
کو پورا کرتی ہے۔ قیمت ۸/-

میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ صرف مسیح اور مسیحیت ہی عالمگیر ہیں۔
قیمت ۸/-

میں ہر پہلو سے اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۸/-

میں مرحوم مولوی ثناء اللہ کے اعتراضات کا دندان شکن اور مسکت
جواب ہے۔ قیمت ہر جلد ۵/-

صلیب کے علمبردار | میں پنجاب کی ممتاز کلیساؤں کے اولین مشنریوں کا تذکرہ

وشت کربلا یا کوہ کلوری؟ | میں خداوند مسیح کے مصلوب ہونے اور امام حسین کی موت کے اسباب و نتائج پر بحث کی گئی ہے۔ قیمت ا/

محمد غزنی | میں بانیٔ اسلام کی زندگی کے صحیح واقعات کو قرآن و ... سے جمع کیا گیا ہے۔ مسلم علماء تک نے اس کتاب کی تعریف ...

توضیح البیان فی اصول القرآن | میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ اسلام صرف محمد صاحب کے ... کے عرب کے لیے ہی موزوں تھا۔ قیمت ۵/

اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی؟ | اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے، کہ خداوند مسیح کا پیغام ... قوم یہود تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ اقوام عالم کیلئے تھا ...

مسیحیت اور سائنس۔ | میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ان دونوں میں کسی قسم کا ... نہیں۔ قیمت ا/

مسیحیت یا اشتراکیت | میں اشتراکی اصول کو مسیحی تعلیم کی کسوٹی ... قیمت ا/

ملنے کا پتہ

پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے۔ انارکلی بالا مشرقی ...

NOTE

—:x:—

The following books have been mainly consulted in the compilation of this volume :—

1. Allan, J., The Cambridge Shorter History of India.
2. E. C. S. Srinivasachari and M. S. Ramaswami Aiyangar, A History of India.
3. Cambridge History of India, Vol. i, Ancient India.
4. Dictionary of the Bible, Hastings Art., Thomas.
5. ,, ,, ,, ,, ,, one Vol. ,,
6. ,, ,, ,, ,, Smith ,, ,,
7. D'Cruz, F. A., St. Thomas the Apostle in India.
8. Encyclopedia Biblica, Art. Thomas.
9. Encyclopedia of Religion and Ethics, Arts, Buddhism and Zoroastrianism.
10. Farquhar, J. N., The Apostle Thomas in North India.
11. ,, ,, ,, ,, ,, South ,,
12. Hough, The History of Christianity in India, Vol. i.
13. Ishwar Das & Khanna, History of India, 1933.
14. Joseph, T. K., Art. St. Thomas in Kalamina, Catholic Register, April 1945.
15. Joseph, Was St. Thomas in South India, Young Men of India, July, Dec. 1927.
16. Joseph, King Gondophernes & The Apostle Thomas, Young Men of India, May 1926.
17. James M. R., The Apocryphal New Testament.
18. Marshall, Sir John, Guide to Taxila.
19. Medlycott, A. E., Bishop, India & The Apostle Thomas.
20. Milne Rae, C., The Syrian Church in India.
21. Mingana, A., Early Spread of Christianity in India.
22. Ogilvie, J. N., The Apostles of India.
23. Robertson, J. A., The Hidden Romance of the New Testament.
24. Richards, W. J., Indian Christians of St. Thomas.
25. The Taxila Cross.
26. Vincent Smith, Early History of India.
27. ,, ,, Oxford History of India, 1941.
28. Waryam Singh & Sant Singh, History of India, Ancient & Medieval.
29. Zaleski, The Apostle Thomas.
30. ,, The Saints of India.

BARAKAT ULLAH,

Feb. 15th, 1949.

Anarkali, Batala.